- احادیثِ قہقہۃ فی الصلاۃ پر غلام مصطفیٰ ظہیر صاحب کے اعتراضات کے جوابات
- نماز فجر وظہر کے مسنون اوقات
- امام ابوحنیفہؒ، امام علی بن المدینیؒ کے نزدیک ثقہ ہیں (ارشاد الحق اثری صاحب کو جواب)

ALIJMA FOUNDATION

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

نمازِ فجر ادا کرنے کا مستحب وقت

-مفتی ابن اسماعیل المدنی

اس مسئلہ کی تفصیل میں جانے سے پہلے دو لفظوں کے معنیٰ سمجھ لیجئے:

غَلَس:

غلس کے لغوی معنیٰ "ظلمة الليل "(رات کی تاریکی) کے ہیں، اور اس کا اطلاق اس اندھیرے پر بھی ہوتا ہے، جو طلوعِ فجر کے بعد کچھ دیر تک چھایا رہتا ہے، یہاں وہی اندھیرا مراد ہے۔

اِسفار:

اسفار کے معنی ہیں اجالا اور روشنی۔

ایک اہم بات :

پوری امت مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ صبح کی نماز کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اور سورج کا کنارہ طلوع ہونے تک رہتا ہے۔[11]

نیز اس بات پر بھی پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے نمازِ فجر صبح صادق اور طلوعِ شمس کے درمیان ادا کی، اس نے نمازِ فجر کو اس کے وقت میں ادا کیا۔[12]

---

[11] امام ابن المنذرؒ(م۳۱۹ھ) نے کہا:وأجمعوا على أن وقت صلاة الصبح:طلوع الفجر۔" (**الاجماع لابن المنذر: رقم ۳٦**)، امام ابو محمد ابن حزمؒ (م٤٥٦ھ) نے کہا:"واتفقواعلى أن طلوع الفجرالمذكور إلى طلوع قرص الشمس وقت للدخول في صلاة الصبح۔" (**مراتب الاجماع: صفحہ ۲٦**)

[12] امام ابن المنذرؒ(م۳۱۹ھ) نے کہا:وأجمعوا على أن من صلى الصبح بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس؛ أنه يصليها في وقتها۔ (**الاجماع لابن المنذر: رقم ۳۷**)

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نمازِ فجر ادا کرنے کا مستحب وقت کونسا ہے، جس کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

نمازِ فجر کے مستحب وقت سے متعلق ائمہ کی رائے:

امام مالکؒ (م۱۷۹ھ)، امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ)، اور امام احمدؒ (م۲۴۱ھ) کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ فجر کی نماز غلس میں پڑھی جائے۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ (م۱۵۰ھ)، امام سفیان ثوریؒ (م۱۶۱ھ) ، امام حسن بن صالح بن حیؒ (م۱۶۹ھ) اور امام ابو یوسفؒ (م۱۸۲ھ)، اسفار کے قائل ہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ (م۱۸۹) کا بھی یہی قول ہے۔

دوسری روایت میں امام محمدؒ (م۱۸۹) فرماتے ہیں کہ غلس میں شروع کی جائے اور اسفار میں ختم کی جائے، امام طحاویؒ (م۳۲۱ھ) نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام طحاویؒ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو طویل قرآت کا ارادر کھتا ہے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ غلس میں شروع کرے اور اسفار میں ختم کرے، اور اگر طویل قرآت کا ارادہ نہیں ہے تو غلس کے مقابلہ میں اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔[13]

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ "**وقد رأى غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، والتابعين: الإسفار بصلاة الفجر**" بہت سے صحابہ کرام اور تابعین عظام اسفار میں ہی نمازِ فجر ادا کرنے کے قائل ہیں۔ **(سنن الترمذی:۱/۲۲۳، حدیث ۱۵۴)**

بلکہ فقیہ العراق امام ابراہیم نخعیؒ (م۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ " ما اجتمع أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم على شيء ما اجتمعوا على التنوير " صبح کی نماز روشن کرکے پڑھنے پر صحابہ کرام کا ایسا اتفاق تھا کہ ایسا اتفاق کسی اور چیز پر نہ تھا۔ **(شرح معانی الآثار: جلد۱: صفحہ ۱۸۴، رقم ۱۰۹۷)**[14]

---

[13] **(معارف السنن:۲/ ۳۵)، نیز دیکھئے (الأصل المعروف بالمبسوط للامام محمد:ج۱:ص۲، ۱۴۶، الحجة على أهل المدينة للشيباني :ج۱:ص۱، مختصر الطحاوی: ص۲۴، مختصر اختلاف العلماء للطحاوی:ج۱:ص۱۹۵، شرح مختصر الطحاوی للجصاص:ج۱:ص۵۲۳، المدونۃ:ج۱:ص۱۵۷، کتاب الام:ج۱:ص۹۳، مسائل احمد بروایت ابی داود: رقم ۱۷۳)**

[14] **اس کی سند کا حال:**

۱-امام طحاویؒ (م۳۲۱ھ) مشہور ثقہ، ثبت حافظ الحدیث، اور ائمہ جرح و تعدیل میں سے ہیں۔ **(الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة : ۳۶/۲، ذکر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل: ص۲۰۴)**

٢- محمد بن خزیمہ بن راشد ابو عمرو البصریؒ۔ ثقہ۔(**التذییل علی کتب الجرح: ١/ ٢٧٠، رقم ٢٧٦، الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستة : ٨/ ٢٦٧، رقم ٩٧٠٠**)

٣- عبد اللہ بن مسلمۃ القعنبیؒ۔ ثقہ۔(**التقریب: ٣٦٢٠**)

٤- عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق السبیعیؒ۔ ثقہ مأمون۔(**التقریب: ٥٣٤١**)

٥- اعمشؒ اور

٦- ابراہیمؒ معروف ثقہ رواۃ میں سے ہیں۔(عام کتب رجال)

معلوم ہوا یہ سند بالکل صحیح ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اس سند پر بعض لوگ اعمشؒ کے عنعنہ کی وجہ سے کلام کرتے ہیں، جو کہ مردود ہے۔ دیکھئے (**الاجماع: شمارہ ٣: ص٢٣٨**) نیز علم جرح وتعدیل رکھنے والے اس بات سے واقف ہیں کہ محدثین کرام نے **"اعمش عن ابراھیم نخعی"** کی سند کو خاص طور سے قبول کیا ہے، اور اسے اتصال پر محمول کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ بخاری و مسلم میں اعمش عن ابراہیم کی سند سے کثرت سے روایتیں موجود ہیں۔

اس بات کو غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ بھی قبول کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ **لكن العلماء جروا على تمشية رواية الأعمش المعنعنة، ما لم يظهر الانقطاع فيها، وقد قال الذهبي في ترجمته في " الميزان ": " ومتى قال: (عن) تطرق إليه احتمال التدليس إلا في شيوخ له أكثر عنهم كإبراهيم وأبي وائل وأبي صالح السمان، فإن روايته عن هذا الصنف محمولة على الاتصال ".**(صحیحہ: ٤/ ٤٠٣)

مزید اس کی متابعت اگلی سند سے بھی ہوتی ہے۔

امام ابو بکر ابن ابی شیبہؒ (**م ٢٣٥ھ**) کہتے ہیں کہ " **حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن حماد ، عن إبراهيم ، قال : ما أجمع أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم على شيء ما أجمعوا على التنوير بالفجر** "۔(**مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث ٣٢٧٥**)

یہ سند پچھلی سند کی وجہ سے صحیح لغیرہ ہے۔ اس سند کے تمام راوی (وکیع بن الجراحؒ، سفیان ثوریؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، ابراہیم نخعیؒ) بخاری و مسلم کے مشہور ثقات ہیں، البتہ امام حماد بن ابی سلیمانؒ سے صرف امام مسلمؒ نے روایت لی ہے، اور وہ صدوق ہیں۔(**تقریب: رقم ١٥٠٠**) امام ابراہیم نخعیؒ کے اس اثر سے ثابت ہوا صحابہ کرام اسفار پر متفق تھے۔

اس اثر کے مفہوم سے متعلق ایک اہم بات:

لہذا کتاب وسنت کے مطابق اسفار کا قول ہی راجح ہے، جس کے کچھ دلائل مع تفصیل درجِ ذیل ہیں :

دلیل نمبر ا :

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:" ومن الليل فسبحه وإدبار النجوم " ۔ (**پارہ ٢٧: سورہ الطور کی اخیری آیت**) اور رات کو اس کی تسبیح بیان کیجئے اور ستاروں کے غائب ہونے کے بعد۔

اس آیت کے آخری جملہ **"اور ستاروں کے غائب ہونے کے بعد"** سے بعض فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا افضل ہے، اسلئے کہ ستارے اس وقت غائب ہوتے ہیں جب آسمان پر روشنی پھیلنے لگتی ہے۔ اس بات کو امام کرمانیؒ (**م ۵۰۵ھ**) نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ (غرائب التفسیر وعجائب التأویل: جلد ٢: صفحہ ١١٥٠)[15] نیز دیکھئے (**الإكليل في أسباب التنزيل للسيوطي: صفحہ ٢٤٩**)

ملک شام کے مشہور سلفی عالم ومفسر شیخ جمال الدین قاسمی شامیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ استدلال نقل کر کے کہا ہے کہ "یہ مضبوط استدلال ہے"۔ (**تفسیر القاسمی، محاسن التأویل: جلد ٩: صفحہ ۵٧**)

جماعت سلفیہ کے حکیم الامت، شیخ بدیع الدین شاہ راشدی اور دوسری کبارِ علماء سلفیہ کے شاگرد، مصر میں مسجد امام ابو حنیفہؒ کے امام، سلفی شیخِ کبیر، محمد احمد اِسماعیل مقدم نے، اپنی تفسیر میں اس استدلال کو بھی نقل کیا ہے، اور شیخ جمال الدین قاسمی کے فیصلہ کو درج

امام طحاویؒ (**م ٣٢١ھ**) نے اس اثر سے یہ استدلال کیا ہے کہ" فالذي ينبغي: الدخول في الفجر في وقت التغليس , والخروج منها في وقت الإسفار "یعنی مناسب یہ ہے کہ فجر کی نماز غلس میں شروع کی جائے اور اسفار میں ختم کی جائے۔ (**شرح معانی الآثار: ١/ ١٨٤، رقم ١٠٩٧**)

غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم کرنے کی دو وجہ ہے: ایک تطویلِ قرآت اور دوسری تکثیر جماعت بالغلس۔

جس کی کچھ تفصیل ان شاءاللہ آگے بیان کی جائے گی۔ (دیکھئے **ص:**)

[15] ان کے الفاظ یہ ہیں:

قوله: (وَإِدْبَارَ النُّجُومِ) قيل: هو صلاة الفجر، وقيل: ركعتا الفجر. الغريب: استدل بعض الفقهاء بالآية على أن الإسفار بصلاة الفجر أفضل لأن النجوم لا إدبار لها، وإنما ذلك بالاستتار عن العيون.

کرتے ہوئے اس پر سکوت بھی کیا ہے، اور اخیر میں امام محمدؒ اور امام طحاویؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے کہ غلس میں نماز شروع کی جائے اور اسفار میں ختم کی جائے۔ **(تفسیر القرآن الکریم، المقدم: ۱۴۴/ ۱۲،** حسب ترتیب الشاملۃ)[16]

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے مطابق فجر کی نماز کو اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔

دلیل نمبر ۲ :

آیئے ایک نظر حدیث شریف پر ڈالتے ہیں، امام ترمذیؒ **(م۲۷۹ھ)** کہتے ہیں کہ "**عن رافع بن خدیج ؓ قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر**" حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کی نماز روشن کر کے پڑھو، اس لئے کہ یہ زیادتی اجر کا باعث ہے۔ **(رواہ الامام الترمذیؒ، ت، بشار: جلد ۱: صفحہ ۲۲۳، رقم ۱۵۴)**

---

16 سلفی شیخ کبیر محمد احمد اسماعیل مقدم کی تفسیر آڈیو [MP3] کی شکل میں [Archive.org] پر موجود ہے۔

ان کے الفاظ یہ ہیں:

الاستدلال بالآية على أفضلية الإسفار بصلاة الصبح، وذكر الخلاف في ذلك:

قال في الإكليل: قال الكرماني: إن بعض الفقهاء استدل بهذه الآية على أن الإسفار بصلاة الصبح أفضل؛ لأن النجوم لا إدبار لها، وإنما ذلك بالاستتار عن العيون، ثم علق صاحب الإكليل [16] على هذا فقال: وهو استدلال متين.

يعني أن الإسفار بصلاة الصبح أفضل من التغليس، والغلس هو: ما تبقّى من الظلمة في آخر الليل عند بداية طلوع الفجر، حيث يكون هناك بقايا ظلمة منتشرة، فالتغليس بالصلاة هو: أداؤها في وقت الغلس، يعني: حين يطلع الفجر، لكن بقيت ظلمة من آخر الليل.

فيقول الكرماني: إن بعض الفقهاء استدل بقوله تعالى: ((وَإِدْبَارَ النُّجُومِ)) على أن الإسفار بصلاة الصبح أفضل؛ لأن النجوم لا إدبار لها، وإنما ذلك بالاستتار عن العيون.

يعني: أن صلاة الصبح تكون وقت إدبار النجوم، والنجوم لما ينتشر ضوء الصباح تختفي؛ لأن الضوء ينتشر فيسترها.

فهذا الفريق من الفقهاء قالوا: إذا قلنا: إن (إدبار النجوم) صلاة الفجر، ففي هذه الحالة يكون المعنى: صل صلاة الصبح وقت استتار النجوم، ومتى تستتر؟ تستتر بانتشار الضوء الذي هو الإسفار.

وهذه المسألة فيها خلاف بين الفقهاء، على ثلاثة أقوال: القول الأول: إنه يغلس بصلاة الفجر، يعني: تصلى في أول الوقت.

القول الثاني: إنه يصلى في وقت الإسفار.

القول الثالث: -وهو الراجح-: أن أدلة كلا الفريقين صحيحة؛ لكن المقصود: أنه يدخل في الصلاة في وقت الغلس ثم يطيل الصلاة حتى ينصرف منها وقت الإسفار، هذا هو الجمع، والله تعالى أعلم.

حضرت رافع بن خدیجؓ سے، اس حدیث کو، انہیں الفاظ کے ساتھ، ترمذیؒ کے علاوہ بھی بہت سے محدثین نے، اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے۔ (**مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۲۶۱، مسند احمد، الرسالۃ ۲۸ / ۵۱۸، صحیح ابن حبان ۴ / ۳۵۷، المعجم الکبیر: ۴ / ۲۴۹، شرح السنۃ للبغوی: ۲ / ۱۹۶**) وغیرہ

امام ابن حجرؒ اس حدیث کی صحت کے بارے میں فرماتے ہیں "صححه غير واحد" کئی علماء نے اسے صحیح کہا ہے۔ (**فتح الباری: جلد ۲: صفحہ ۵۵**) غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ نے بھی اپنی متعدد کتابوں میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (**ارواء الغلیل: جلد ۱: صفحہ ۲۸۱، رقم ۲۵۸، الصحیحۃ: جلد ۳: صفحہ ۱۰۹، رقم ۱۱۱۵، صحیح الجامع الصغیر: جلد ۱: صفحہ ۲۲۷، رقم ۹۷۰**)

امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو احادیث متواترۃ میں شمار کیا ہے، اور اس کی تخریج کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

أ- (سنن) اربعہ (کے مصنفینؒ) اس حدیث کو روایت کرتے ہیں رافع بن خدیجؓ سے۔

ب- امام احمدؒ، محمود بن لبیدؓ سے۔

ج- امام طبرانیؒ، حضرت بلالؓ، ابن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ اور حواءؓ سے۔

د- امام بزارؒ، حضرت انسؓ اور قتادہؓ سے۔

ھ- امام عراقیؒ، صحابہ کرامؓ میں سے ایک شخص۔ دیکھئے (**قطف الازھار المتناثرۃ: صفحہ ۷۸، رقم الحدیث ۲۵**)

اس حدیث کو متواتر کہنے میں امام مناویؒ اور امام کتانیؒ نے بھی امام سیوطیؒ کی موافقت کی ہے۔ (**فیض القدیر للمناوی: جلد ۱: صفحہ ۵۰۸، رقم الحدیث: ۱۰۲۴، نظم المتناثر للکتانی: صفحہ ۸۰، رقم ۶۱**)

البتہ بعض محدثین نے امام سیوطیؒ کے اس فیصلہ سے اختلاف بھی کیا ہے، وہ حضرت رافع بن خدیجؓ کی حدیث کی تصحیح تو کرتے ہیں، مگر اس حدیث کے متواتر ہونے سے اتفاق نہیں رکھتے۔ (**المداوی لعلل الجامع الصغیر، للشیخ احمد الغماری: ج ۱ / ص ۵۵۰، رقم ۵۰۳۔ ایضاً: ج ۶ / ص ۴۷۴، رقم ۳۵۹۵**)

معلوم ہوا یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل صریح ہے، کہ فجر کی نماز کو اسفار میں ادا کرنا چاہیے۔

اس مسئلہ پر اور بھی روایتیں پیش کی جاتی ہیں، مگر بوجہ اختصار ہم یہاں صرف اس ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں، جو بالکل صحیح بھی ہے اور اس مسئلہ پر صریح بھی۔

اس حدیث کی ایک تاویل اور اس کا جواب:

جو علماء کرام، غلس میں نمازِ فجر کی ادائیگی کو مستحب کہتے ہیں، ان کی طرف سے مذکورہ بالا حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے **(وقال الشافعي، وأحمد، وإسحاق: معنى الإسفار: أن يضح الفجر فلا يشك فيه ولم يروا أن معنى الإسفار: تأخير الصلاة. سنن الترمذی: جلد ۱: صفحہ ۲۲۳، رقم ۱۵۴)** کہ یہاں روشن کرکے پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ فجر بالکل واضح ہو جائے، صبح صادق کا یقین ہو جائے، اس میں کوئی شک نہ رہے، اس وقت فجر پڑھی جائے، اسکا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ فجر کی نماز تاخیر سے ادا کی جائے۔

مگر خود ائمہ محدثین نے اس تاویل کو رد کیا ہے، چنانچہ:

(۱) امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں " **وفي هذا التأويل نظر** "اس تاویل میں نظر ہے۔۔ **(الدرایۃ: ۱/۱۰۳، رقم ۱۰۰)** غیر مقلد عالم و محدث شیخ عبد الرحمن مبارکپوریؒ بھی ابن حجرؒ کی اس بات کو نقل کرکے اس پر سکوت کرتے ہیں۔ **(تحفۃ الاحوذی: ۱/۴۰۹)**

(۲) اسی طرح احادیث الاحکام کے بارے میں لکھی گئی مشہور ترین کتاب "الامام فی شرح الالمام" میں امام محمد بن علی ابن دقیق العیدؒ **(م ۷۰۲ھ)** فرماتے ہیں "**قال في الإمام: وفسر الإمام أحمد الإسفار في الحديث ببيان الفجر وطلوعه، أي لا تصلوا إلا على تبين من طلوعه، قال: وهذا يرده بعض ألفاظ الحديث أو يبعده**" امام احمدؒ نے اس حدیث میں لفظ اسفار کی تفسیر وضوحِ فجر سے کی ہے، یعنی اس وقت تک نمازِ فجر نہ پڑھو جب تک کہ طلوعِ فجر کا یقین نہ ہو جائے، ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کے بعض الفاظ اس تاویل کو رد کرتے ہیں یا بعید بتاتے ہیں۔ ابن دقیق العیدؒ کی یہ پوری بات امام زیلعیؒ نے نقل کی ہے۔ دیکھئے **(نصب الرایۃ: ۱/ ۲۳۸)**[17]

یہی امام ابن دقیق العیدؒ اپنی دوسری کتاب میں فرماتے ہیں "**قيل فيه: إن المراد بالإسفار: تبين طلوع الفجر ووضوحه للرائي يقينا. وفي هذا التأويل نظر. فإنه قبل التبيين والتيقن في حالة الشك لا تجوز الصلاة. فلا أجر فيها**" اس میں یہ کہا گیا ہے کہ: اسفار سے مراد یہ ہے کہ "صاف طور سے طلوعِ فجر ہو جائے، اور دیکھنے والے کو اس کا یقین ہو جائے"

---

[17] (نقل الامام الزيلعی ؒ فی کتابه هذا الکلام عنه، فإن الکتاب " الإمام " –حسب علمی - ما طبعت منه إلیٰ الآن إلا المجلدة الأولیٰ من الأصل فی أربع مجلدات ، يقول الامام ابن دقيق العيد ؒ فی آخر المجلد الرابع من المطبوع : آخر المجلدة الأولیٰ ، ولله الحمد والفضل والمنة ، يتلوه فی أول المجلدة الثانية إن شاء الله تعالیٰ : ذكر التغليس بصلاة الصبح)

، اس تاویل میں نظر ہے، اس لئے کہ طلوعِ فجر کا یقین ہونے سے پہلے نماز پڑھنا جائز ہی نہیں، تو اس میں تو سرے سے اجر نہیں ہے۔ **(إحکام الأحکام شرح عمدۃ الأحکام: ۱/ ۱٦۷)**

مذکورہ بالا عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اس تاویل کا مطلب ہوگا کہ " طلوع فجر کا یقین ہونے کے بعد پڑھو گے تو اجر زیادہ ملے گا اور یقین ہونے سے پہلے پڑھو گے تو اجر کم ملے گا"۔ جبکہ یہ بات واضح طور پر باطل ہے، اس لئے کہ طلوعِ فجر کا یقین ہونے سے پہلے نماز پڑھنا درست ہی نہیں تو اس پر سرے سے اجر ہی نہیں ملے گا، کم زیادہ کی کیا بات۔

کتنی تاخیر سے نمازِ فجر ادا کی جانی چاہیے:

ہریر بن عبد الرحمنؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا حضرت رافع بن خدیجؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نوروا بالصبح قدر ما يبصر القوم مواقع نبلهم" صبح کو اتنا روشن کرکے پڑھو کہ لوگوں کو اپنے تیروں کے گرنے کی جگہیں نظر آنے لگے۔ **(مسند ابن ابی شیبہ : جلد ۱ : صفحہ ۷۸، رقم الحدیث ۸۳، مسند ابی داؤد الطیالسی : جلد ۲ : صفحہ ۲٦٦، رقم الحدیث ۱۰۰۳، المعجم الکبیر للطبرانی : جلد ۴ : صفحہ ۲۷۷، رقم الحدیث ۴۴۱۴)**

اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: **(صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ : جلد ۱ : صفحہ ۲۲۷، رقم الحدیث ۹٦۹)** اور اپنی دو کتابوں میں اس کی سند کو صحیح اور اس کے رواۃ کو ثقہ کہا ہے۔ دیکھئے: **(ارواء الغلیل : جلد ۱ : صفحہ ۲۸۴، الثمر المستطاب : جلد ۱ : صفحہ ۸۴)** المطالب العالیہ کے محققین نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ **(المطالب العالیہ، محققاً : ۳/ ۱۷۱)**

اس حدیث سے متعلق چند ملاحظات:

(۱) اس سند کے بارے میں شیخ البانیؒ نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ ہریر بن عبد الرحمٰنؒ نے اپنے دادا حضرت رافع ابن خدیجؓ سے نہیں سنا ہے، لكن ما أرى أن هرير بن عبد الرحمن هذا سمعه من جده رافع۔ (الثمر المستطاب : ۱/ ۸۴)

جبکہ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ ایک روایت میں انہوں نے اپنے دادا سے سماع کی تصریح کی ہے، پس اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ حدیث متصل ہے،**لكن قد صرح بسماعه من جده فى رواية كما يأتى , فإذا ثبت ذلك فهو متصل**۔(ارواء الغلیل: ۲۸۴/۱)

اور مسند ابن ابی شیبہ کی صحیح سند میں ہریر بن عبد الرحمنؒ نے اپنے دادا سے سماع کی صراحت کی ہے۔ **قال: سمعت هرير بن عبد الرحمن بن رافع بن خديج، قال: سمعت جدي رافع بن خديج يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم**۔(۱/۷۸، رقم ۸۳)

(۲) اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل المدنی آئے، دراصل یہاں ابراہیم بن اسماعیل المدنی نہیں بلکہ ابراہیم بن سلیمان، ابو اسماعیل المؤدب ہیں، ابو نعیمؒ سے نسبت میں چوک ہو گئی۔

امام عبد الرحمن بن ابی حاتمؒ نے اپنے والد سے اس روایت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ یہاں ابو نعیم سے نسبت کرنے میں غلطی ہو گئی ہے، ابراہیم بن اسماعیل المدنی کی کتاب میں یہ حدیث موجود نہیں ہے، کئی محدثین نے ابو اسماعیل المؤدب کی سند سے یہ حدیث مجھ سے بیان کی ہے، اور یہی زیادہ مناسب ہے۔[18]

---

[18] ان کے الفاظ یہ ہیں:

وسألت أبي عن حديث رواه أبو نعيم ، عن إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع، عن هرير بن عبد الرحمن، عن جده رافع بن خديج؛ قال: قال رسول الله (ﷺ) لبلال: نور بالفجر قدر ما يبصر القوم مواقع نبلهم؟ قال أبي: حدثنا هارون بن معروف وغيره، عن أبي إسماعيل إبراهيم بن سليمان المؤدب، عن هرير؛ وهو أشبه۔(علل الحدیث لابن ابی حاتم: جلد ۲: صفحہ ۳۰۱، رقم ۳۸۵)

وسمعت أبي وذكر حديث إبراهيم بن سليمان أبي إسماعيل المؤدب ، عن هرير بن عبد الرحمن بن رافع بن خديج، عن جده رافع، عن النبي ﷺ أنه قال لبلال: نور بالفجر قدر ما يبصر القوم مواقع نبلهم.

قال أبي: روى أبو بكر بن أبي شيبة هذا الحديث عن أبي نعيم ، عن إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع، عن هرير بن عبد الرحمن، عن جده، عن النبي ﷺ.

قال أبي: وسمعنا من أبي نعيم كتاب إبراهيم بن إسماعيل؛ الكتاب كله، فلم يكن لهذا الحديث فيه ذكر، وقد حدثنا غير واحد عن أبي إسماعيل المؤدب.

قلت لأبي: الخطأ من أبي نعيم، أو من أبي بكر بن أبي شيبة؟

مزید یہ کہ معجم کبیر میں **محمد بن بکار بن الریان (ثقہ۔ تقریب:۵۷۵۸)** نے ابو اسماعیل المؤدب کی تصریح کی ہے۔ **(المعجم الکبیر للطبرانی: جلد ۴: صفحہ ۲۷۷، رقم الحدیث ۴۴۱۴)**، لہذا یہاں پر ابو اسماعیل المؤدب ہی ہیں۔

(۳) ابراہیم بن سلیمان ابو اسماعیل المــؤدب کے والد کے بارے میں ایک قول اسماعیل کا بھی ہے، **"وقد قیل إبراهیم بن إســـماعیل"**۔ **(مشاہیر علماء الأمصار: صفحہ ۲۷۷، رقم ۱۳۹۳)** لہذا اس قول کے مطابق ان کا بھی نام ابراہیم بن اسماعیل، ابو اسماعیل المؤدب ہو گا۔

(۴) ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع المدنی۔ ضعیف ہیں۔ (التقریب:۱۴۸)

جبکہ ابراہیم بن سلیمان المؤدبؒ کی کئی علماء (امام احمدؒ، ابن معینؒ، عجلیؒ، دار قطنیؒ، نسائیؒ، ابو داوٗدؒ، ابن حبانؒ) نے توثیق کی ہے۔ **(تہذیب الکمال: جلد ۲: صفحہ ۹۹، رقم الترجمة ۱۷۸)**

اسی طرح شیخ البانیؒ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ (اگلا نمبر ملاحظہ فرمایئے)

(۵) مسند ابی داوٗد الطیالسی کی سند میں **"ابو إبراهیم"** آیا ہے، شیخ البانیؒ کہتے ہیں، ابو إبراہیم یہ کتابت کی غلطی ہے، یہاں کلمہ (أبو) زیادہ ہو گیا ہے، صحیح ابراہیم بن سلیمان ابو إسماعیل المؤدب ہے، اور وہ ثقہ ہیں۔

وأما أبو ابراهيم هذا , فلم أعرفه , ولعل كلمة (أبو) زيادة ووهم من بعض النساخ , فإن الحديث معروف من رواية أبى إسماعيل المؤدب عن هرير , كما يأتى وأبو إسماعيل اسمه إبراهيم بن سليمان بن رزين فالظاهر أنه هذا , وهو ثقة كما قال الدارقطنى وابن معين وغيرهما۔ (إرواء الغلیل:۱/۲۸۴)

معلوم ہوا یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اور اس کی سند پر جتنے اعتراضات ہو سکتے تھے، تمام کے جوابات دیدیئے گئے، **فالحمدللہ علی ذلک۔**

قال: أرى قد تابع أبا بكر رجل آخر: إما محمد بن يحيى أو غيره؛ فعلى هذا، يدل أن الخطأ من أبي نعيم. يعني: أن أبا نعيم أراد أبا إسماعيل المؤدب، وغلط في نسبته، ونسب إبراهيم بن سليمان إلى إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع۔ **(علل الحدیث لابن ابی حاتم: ۲/۳۱۹، رقم ۴۰۰)**

اس حدیث کے مطابق علماء احناف کہتے ہیں کہ فجر کی نماز اتنی ہی تاخیر سے پڑھنا مستحب کہ لوگوں کو اپنے تیر گرنے کی جگہ نظر آنے لگے۔ **(اعلاء السنن: ۲/ ۳۳)**[19]

فجر کی نماز کب پڑھنا چاہیے چند علماء احناف کے کلام سے اس کی وضاحت:

مولانا سید زوّار حسین صاحبؒ فرماتے ہیں:

”فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے، لیکن اتنی تاخیر نہ کرے کہ سورج نکلنے کا شک ہو جائے، بلکہ جب اِسفار یعنی اجالا ہو جائے اور اتناوقت ہو کہ سنت کے موافق اچھی طرح نماز ادا کی جائے اور قرأت مستحبہ یعنی چالیس سے ساٹھ تک آیتیں[20] ترتیل کے ساتھ

---

[19] **ان کے الفاظ یہ ہیں:** ”ولعلک قد عرفت أن الحنفية لا يريدون بالاسفار إلا ما ورد فى الحديث من أن ينور بقدر ما يبصر القوم مواقع نبلهم“۔

[20] فجر کی رکعتوں میں قرآتِ مستحبہ کی مقدار سے متعلق، فقہ حنفی میں تین اقوال ہیں:

۱- سورہ فاتحہ کے علاوہ چالیس آیتیں۔

۲ –پچاس آیتیں۔

۳ –ساٹھ سے سو آیتوں تک تلاوت کرے،

اختلافِ اقوال کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے فجر میں مختلف سورتیں تلاوت فرمانا منقول ہے، ان اقوال میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ امام اور مقتدیان کے احوال کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے تلاوت کی جائے۔

وفي (الجامع الصغير) يقرأ في الفجر في الركعتين سورة الفاتحة وقدر أربعين أو خمسين واقتصر في (الأصل) على الأربعين وفي (المجرد) ما بين الستين إلى المائة والكل ثابت من فعله عليه الصلاة والسلام فقيل: ما في (المجرد) محمول على الراغبين وما في (الأصل) على الكسالى والضعفاء أو ما في (الجامع) على الأوساط ورده في (الفتح) بأنه لا يجوز حمل فعله عليه الصلاة والسلام مع أصحابه على ذلك إذ لم يكونوا كسالى. أقول: يجوز أن يراد بالكسالى الضعفاء ولا ينكر أنه عليه الصلاة والسلام كان في أصحابه في بعض الأحيان الضعفاء فجاز أنه كان يراعي حالهم إذا صلوا معه وقيل: ينظر إلى طول الليالي وقصرها وكثرة الأشغال وقلتها وقيل: يقرأ في الآيات القصار مائة وفي الأوساط خمسين وفي الطوال أربعين۔**(النہر الفائق:۱/ ۲۳۳)**

وفي الجامع الصغير يقرأ في الفجر في الحضر في الركعتين بأربعين آية أو خمسين آية سوى فاتحة الكتاب ويروى من أربعين آية إلى ستين ومن ستين إلى مائة، وهكذا ذكر الطحاوي أيضا ومراده أن يوزع الأربعين أو الخمسين بأن يقرأ في الركعة الأولى خمسا وعشرين وفي الثانية بما بقي إلى تمام الأربعين لا أن يقرأ في كل ركعة أربعين أو خمسين، ثم قيل المائة أكثر ما يقرأ فيهما والأربعون أقل ما يقرأ فيهما وقيل بالتوفيق بين الروايات كلها واختلف في وجه التوفيق فقيل إنه يقرأ بالراغبين إلى مائة وبالكسالى إلى أربعين وبالأوساط إلى الستين وقيل ينظر إلى طول الليالي وقصرها ففي الشتاء يقرأ مائة وفي الصيف أربعين وفي الخريف والربيع خمسين إلى ستين. وقيل ينظر إلى طول الآيات وقصرها فيقرأ أربعين إذا كانت طوالا كسورة الملك ويقرأ خمسين إذا كانت أوساطا وما بين ستين إلى مائة إذا كانت قصارا كسورة المزمل والمدثر والرحمن وقيل ينظر إلى قلة الأشغال

(ٹھہر ٹھہر کر) دونوں رکعتوں میں پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر شاید کسی وجہ سے یہ نماز درست نہ ہوئی ہو، خواہ طہارت میں خلل ہو یا نماز میں تو طہارت کر کے دوبارہ قرأتِ مستحبہ مذکورہ کے ساتھ سنت کے موافق سورج نکلنے سے پہلے نماز پڑھی جا سکتی ہو، ایسے وقت میں نماز (فجر) پڑھنا افضل ہے"۔ **(عمدۃ الفقہ: ۲/ ۱۸)**

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

"مردوں کیلئے مستحب ہے کہ فجر کی نماز ایسے وقت شروع کریں کہ روشنی خوب پھیل جائے اور اس قدر وقت باقی ہو کہ اگر نماز پڑھی جائے اور اس میں چالیس پچاس آیتوں کی تلاوت اچھی طرح کی جاوے اور بعد نماز کے اگر کسی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا چاہیں تو اسی طرح چالیس پچاس آیتیں اس میں پڑھ سکیں"۔ **(بہشتی زور، نماز کے وقتوں کا بیان، مسئلہ نمبر ۱)**

مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

" نماز (فجر) ایسے وقت شروع کی جائے کہ اس میں قراءت مسنونہ کرنے کے بعد اگر فساد کی صورت پیش آجائے تو بطریقۂ مسنونہ اعادہ کر سکیں، تجربہ سے ثابت ہوا کہ طلوع آفتاب سے تقریباً آدھ گھنٹہ قبل قاعدہ مذکورہ کے مطابق نماز ہو سکتی ہے۔" **(احسن الفتاویٰ: جلد ۲: صفحہ ۱۴۱)**

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بارک اللہ فی علمہ وعمرہ فرماتے ہیں:

" نمازِ فجر حنفیہ کے نزدیک اسفار یعنی اجالے میں پڑھنا افضل ہے، البتہ نماز طلوع آفتاب سے اتنے پہلے ختم ہو جانی چاہیے کہ اگر کسی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا پڑے تو طوالِ مفصل[21] کی قراءت کے ساتھ اعادہ ہو سکے اور پھر بھی کچھ وقت بچ رہے"۔ **(فتاویٰ عثمانی: جلد ۱: صفحہ ۳٦٠)**

وكثرتها وقيل يعتبر حال نفسه فإذا كان حسن الصوت يقرأ مائة وإلا فأربعين وأصل اختلاف الروايات فيها اختلاف الآثار في ذلك فروي عن جابر بن سمرة أنه - عليه الصلاة والسلام - كان «يقرأ في الفجر ب ق والقرآن المجيد» ونحوها وكانت صلاته بعد إلى تخفيف وروي عن أبي برزة كان النبي - صلى الله عليه وسلم - «يقرأ في الفجر ما بين الستين إلى المائة» وعن أبي هريرة أنه - عليه الصلاة والسلام - كان «يقرأ في الفجر يوم الجمعة ألم تنزيل الكتاب وهل أتى على الإنسان» **(تبيين الحقائق: ١/ ١٣٠)**

[21] طوال مفصل سے مراد سورہ حجرات سے سورہ بروج ہے (وطوال المفصل من سورة: الحجرات إلى: والسماء ذات البروج)۔ **(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ٥/ ٢٣٨)** وفي تحديد السور من حيث طوالها وقصرها وأوساطها نقول: ذهب الشافعية إلى أن طوال المفصل من الحجرات إلى النبأ، وأوساطه من النبأ إلى الضحى، وقصاره من الضحى إلى آخر القرآن الكريم۔أما الحنفية فقد ذهبوا إلى أن طوال المفصل من سورة الحجرات إلى آخر البروج، وأوساطه من الطارق إلى أول البينة، وقصاره من البينة إلى آخر القرآن

افضلیتِ اسفار کی وجہ:

اس تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جماعت کی کثرت ہو جاتی ہے، اندھیرے میں پڑھنے کے بجائے کچھ اجالا ہو جانے کے بعد پڑھنے سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہو پاتے ہیں، اور تکثیر جماعت مطلوب و محمود ہے۔ **(ولأن في التغليس تقليل الجماعة لكونه وقت نوم وغفلة، وفي الإسفار تكثيرها فكان أفضل، بدائع الصنائع: ۱/ ۱۲۵)**

خود حضرت نبی کریم ﷺ ادائیگی نمازِ فجر میں کثرت جماعت کا لحاظ فرمایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اذان کے بعد مسجد تشریف لاتے، اگر آپ دیکھتے کہ لوگ کم ہیں تو آپ بیٹھ جاتے، پھر نماز پڑھاتے، اور اگر دیکھتے کہ صحابہ کرام جمع ہیں تو نماز پڑھا دیتے۔[22] **(فوائد ابی محمد الفاکہی: صفحہ ۲۹۳، رقم ۱۱۴، ۱۱۵، واللفظ لہ، المستدرک علی الصحیحین: ۱/ ۳۱۸، رقم ۷۲۴، سنن ابی داؤد: ۱/ ۱۴۹، رقم الحدیث ۵۴۵- ۵۴۶، أمالی ابن بشران، الجزء الاول: صفحہ ۴۰۷، رقم ۹۴۸، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/ ۳۱، رقم ۲۲۸۳)**[23]

الكريم۔وقال المالكية: إن طوال المفصل كذلك من الحجرات لكنها إلى سورة النازعات، وأوساط المفصل من عبس إلى سورة " والليل "، وقصاره من " الضحى " إلى آخر القرآن۔أما الحنابلة فقد ذهبوا إلى أن أول المفصل هو سورة " ق " وقيل فى المذهب: " الحجرات "، وأوساطه من " عم " إلى سورة " الضحى "، وقصاره من الضحى إلى آخر القرآن۔ (الدر المختار ۱/ ۵۰۴ ، الشرح الكبير ۲۴۷/۱ ، كشاف القناع ۱/ ۳۹۹،إكمال المعلم بفوائد مسلم : ۲۷۱/۲)

[22] **فوائد ابی محمد الفاکہی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:**

أخبرني أبي، أخبرني عبد المجيد، عن ابن جريج، أخبرني موسى بن عقبة، عن سالم أبي النضر، أن النبي صلى الله عليه وسلم «كان يخرج بعد النداء إلى المسجد، فإذا رأى أهل المسجد قليلا جلس حتى يرى منهم جماعة، ثم يصلي، وكان إذا خرج فرأى جماعة أقام الصلاة۔

قال ابن جريج: وحدثني موسى أيضا , عن نافع بن جبير، عن مسعود بن الحكم الزرقي، عن علي بن أبي طالب، رضي الله عنه مثل هذا الحديث۔

[23] **پہلی سند کا حال:**

(۱) عبد اللہ بن محمد بن العباس ابو محمد الفاکہیؒ: ثقہ، مکثر ہیں۔ **(الروض الباسم: ۱/ ۶۱۴، رقم ۵۰۶)**

(۲) ان کے والد محمد بن العباس ابو عبد اللہ الفاکہیؒ: امام ابو الطیب المکی الفاسیؒ (م ۸۳۲ھ) نے انہیں فضل وعدالت سے متصف کیا ہے، اور اور ان پر جرح کی نفی کی ہے۔(فإن كتابه يدل على أنه من أهل الفضل، فاستحق الذكر، وأن يوصف بما يليق به من الفضل والعدالة، أو

الجرح، وحاشاه من ذلك)۔(**العقد الثمین: جلد ۲: صفحہ ۱۱۰، رقم ۹۰**)اور شیخ معلمیؒ نے ان کی بات کو نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے۔(فقد أثنى عليه الفاسي في ترجمته من "العقد الثمين" ونزَّهَهُ عن أن يكون مجروحًا)۔(**النکت الجیاد : ۱ /۵۳۱، رقم ۶۳۵**)

نیز دوسری کتابوں میں ان کی متابعت بھی موجود ہے۔

(۳) عبد المجید بن ابی رواد۔صدوق یخطئ۔(**التقریب: ۴۱۶۰**) لیکن یہ ابن جریجؒ کی روایت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔(**تہذیب الکمال: ۱۸/ ۲۷۱، رقم ۳۵۱۰**) اور یہ روایت بھی ابن جریج سے ہی مروی ہے، لہذا وہ اس سند میں حجت ہوں گے۔

(۴) ابن جریجؒ۔ثقة فاضل، مدلس، یرسل۔(**التقریب ۴۱۹۳**)اس روایت میں ابن جریجؒ نے سماع کی تصریح کی ہے۔

(۵) موسیٰ بن عقبہؒ۔ ثقہ۔(**التقریب: ۶۹۹۲**)

(۶) سالم ابی النضر۔ ثقہ، ثبت۔(**التقریب: ۲۱۶۹**)

ابن جریج، موسیٰ بن عقبہ، سالم ابی النضر۔سند کا یہ حصہ صحیح مسلم کی شرط پر ہے۔دیکھئے:(**صحیح مسلم: ۱۷۴۲**)البتہ سالم ابی النضرؒ تابعی ہیں اس لئے یہ روایت مرسل ہے۔ابن حجرؒ فرماتے ہیں: یہ سند قوی و مرسل ہے۔وإسناده قوي مع إرساله۔ (**فتح الباری: ۲/ ۱۱۰**)

لیکن اس کی متابعت اگلی سند سے ہوتی ہے:

دوسری سند کا حال:

(أخبرني أبي، أخبرني عبد المجيد،) قال ابن جريج: وحدثني موسى أيضا , عن نافع بن جبير، عن مسعود بن الحكم الزرقي، عن علي بن أبي طالب، رضي الله عنه مثل هذا الحديث۔

اس میں ابو محمد الفاکہی، ان کے والد، عبد المجید، ابن جریج اور موسیٰ بن عقبہ کا حال بیان ہو گیا۔

(۶) نافع بن جبیر۔ ثقہ۔(**التقریب: ۷۰۷۲**)

(۷) حضرت مسعود بن الحکم الزرقیؒ یہ صحابی ہیں۔(**التقریب: ۶۶۰۹**)

(۸) حضرت علیؓ مشہور صحابی جلیل ہیں۔

نافع بن جبیر، مسعود بن الحکمؓ، علیؓ یہ سند مسلم کی شرط پر ہے۔دیکھئے(**صحیح مسلم: ۹۶۲**) معلوم ہوا یہ سند مرفوع متصل اور صحیح ہے۔امام حاکمؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے: یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے، اور امام ذہبیؒ نے بھی اسے شیخین کی شرط پر کہا ہے۔(**المستدرک علی الصحیحین: جلد ۱: صفحہ ۳۱۸، رقم ۷۲۴**) غیر مقلد عالم شیخ البانیؒ پہلی سند کے بارے میں کہتے ہیں: یہ سند مرسل ہے اور حافظؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ سند قوی، مرسل ہے، اور دوسری سند

۲ وضاحتیں:

(۱)　اس حدیث کی بعض روایتوں میں 'بعد النداء' (اذان کے بعد) کا جملہ ہے اور بعض میں " حین تقام الصلاۃ" (جب اقامت کہی جاتی) ہے، بعض علماء نے اس کی وجہ سے اس روایت پر کلام کیا ہے، اور بعض نے اس میں تاویل کی ہے۔ مگر ان میں کوئی تعارض یا اختلاف نہیں ہے، ان دونوں جملوں کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ اذان کے بعد، اقامت کے وقت جب تشریف لاتے اور صحابہ کرام کی تعداد کچھ کم محسوس ہوتی تو آپ کچھ دیر انتظار فرمالیتے۔

(۲)　اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر نماز میں آپ کا ایسا معمول تھا، نیز صحابہ کرام سے یہ بعید ہے کہ وہ نماز کیلئے دیر سے تشریف لاتے ہوں، البتہ کبھی ایسا ہو جاتا کہ آپ ﷺ تشریف لے آتے اور کچھ صحابہ کرام کو کسی وجہ تشریف لانے میں تھوڑی دیر ہو جاتی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو تعداد کچھ کم محسوس ہوتی، تو آپ ﷺ کچھ دیر انتظار فرمالیتے۔ جس سے اتنی بات واضح طور معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ جماعت کی کثرت کا لحاظ فرمایا کرتے تھے۔

حنفیہ کے نزدیک افضلیتِ اسفار کی یہی علت ہے۔ **(والذي يؤيد كلام الشراح أن ماذكره أئمتنا من استحباب الإسفار بالفجر والإبراد بظهر الصيف معلل بأن فيه تكثير الجماعة)۔(شامی: ۱/۲۴۹)**

ایک اہم تنبیہ:

افضلیتِ اِسفار کی اسی علت (تکثیر جماعت) کی وجہ سے، علماء احناف کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر لوگ غلس میں ہی جمع ہو گئے ہوں تو اسفار تک انتظار کرنے کی بجائے غلس میں ہی فجر ادا کر لینا افضل ہے۔

مفتی سعید صاحب پالنپوری (بارک اللہ فی علمہ وعمرہ) تحریر فرماتے ہیں کہ "فجر ادا کرنے کا مستحب وقت کیا ہے؟۔۔۔۔۔۔۔ اور حنفیہ کہتے ہیں یہ حالات کے تابع ہے، اگر اول وقت میں سب نمازی آجائیں تو غلس میں فجر پڑھنا افضل ہے، ورنہ اسفار میں یعنی تاخیر کرکے پڑھنا افضل ہے۔ **(تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری: جلد ۲: صفحہ ۴۳۴)**

کے بارے میں کہتے: یہ سند جید متصل ہے، اوراس حدیث کو سلسلہ احادیث صحیحہ میں نقل کیا ہے۔ **(سلسلہ احادیث صحیحہ: ۷/۶۶۸، رقم الحدیث ۳۲۱۰)** مگر دوسری کتابوں میں اس کو ضعیف بھی کہا ہے۔ **(ضعیف ابی داؤد: ۱/ ۱۹۴)** مگر شاید یہ پہلے کی تحقیق ہے، اسلئے کہ اجمالاً بیان کیا ہے، جبکہ سلسلہ احادیث صحیحہ میں اس کی پوری تفصیل ذکر کرکے اس کی تصحیح کی ہے، معلوم ہوا یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

مزید عبارات:

قال ابن عابدینؒ: والذي يؤيد كلام الشراح أن ما ذكره أئمتنا من استحباب الإسفار بالفجر والإبراد بظهر الصيف معلل بأن فيه تكثير الجماعة۔ **(رد المحتار:١/٢٤٩)**

قال الإمام حافظ الدين هذه المسألة تدل على أن الصلاة في أول الوقت عندنا أفضل إلا إذا تضمن التأخير فضيلة كتكثير الجماعة وأنكر ذلك بعض المتأخرين وقال قد ثبت بصريح أقوال علمائنا أن الأفضل الإسفار بالفجر مطلقا والإبراد بالظهر في الصيف وتأخير العصر ما لم تتغير الشمس من غير اشتراط جماعة فكيف يترك هذا الصريح بالمفهوم ويجاب لحافظ الدين أن الصريح محمول على ما إذا تضمن ذلك فضيلة كتكثير الجماعة؛ لأنه إذا لم يتضمن ذلك لم يكن للتأخير فائدة۔ **(الجوهرة النيرة: ١/ ٢٤) وانظر (البحر الرائق:١/ ١٦٣، نواقض التيمم)**

محدث کبیر، مولانا انور شاہ کشمیریؒ نقل فرماتے ہیں: (الاطلاع) في باب تيمم مبسوط السرخسي يستحب الغلس وتعجيل الظهر إذا اجتمع الناس۔ **(العرف الشذی١/ ١٧٥)**،وفي «المبسوط» في باب التيمم: أن فضل الإبراد بالظهر والإسفار بصلاة الفجر، إنما هو عند عدم اجتماع القوم، فإن اجتمعوا قبله فالأفضل التعجيل۔ **(فیض الباری:٢/ ١٦٨، رقم ٥٦٢) مزید تفصیل کیلئے دیکھئے:(معارف السنن للعلامۃ البنوریؒ: جلد ٢: صفحہ ٣٨، تحت ”تنبیہ“)**

اس سے دو اعتراضات کا جواب بھی ہو گیا:

اعتراض نمبر (١) :

اگر احناف کے نزدیک فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا افضل ہے، تو پھر وہ رمضان کے فضلیت والے مہینہ میں اس افضلیت کو چھوڑ کر غلس میں ہی کیوں نماز ادا کر لیتے ہیں۔

جواب:

رمضان المبارک میں لوگ تہجد اور سحری کے بعد نماز فجر کی ادائیگی کیلئے غلس ہی میں مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، اسلئے غلس میں فجر کی نماز ادا کر لی جاتی ہے، اسلئے کہ ایسی صورت میں یہی افضل ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ **فتاویٰ رحیمیہ سے ایک سوال وجواب تحریر کیا جاتا ہے:**

سوال:

رمضان میں رات کو لوگوں کی نیند پوری نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے سحری کے بعد فجر تک بیدار رہنا ان پر شاق گذرتا ہے، بعض تو گھر میں نماز پڑھ کر سو جاتے ہیں، اور بعض نماز کے وقت بیدار ہو جانے کے ارادے سے نماز پڑھے بغیر سو جاتے ہیں، بروقت آنکھ نہ کھلنے کی صورت میں ثوابِ جماعت سے محروم رہتے ہیں اور بعضوں کی تو نماز بھی قضا ہو جاتی ہے اگر صبح صادق کے بعد جلد جماعت کر لی جائے تو سب جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں، ایسا کرنے میں کوئی حرج ہے؟

الجواب:

رمضان میں مذکورہ علت کی وجہ سے نمازِ فجر ہمیشہ کے وقت سے جلد پڑھ لی جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اولیٰ ہے سب لوگ شرکت فرما سکیں گے اور جماعت بڑی ہو گی اسکی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

"حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول خدا ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر صبح کی نماز کیلئے کھڑے ہو گئے، راوی نے دریافت کیا سحری اور نماز میں کتنا فاصلہ تھا؟ فرمایا کہ جتنی دیر میں پچاس آیتیں پڑھ سکیں۔"[24]

پچاس آیات تو ایک اندازہ ہے، سحری کا وقت ختم ہو جانے کے بعد یعنی صبح صادق بعد پندرہ بیس منٹ ٹھہر کر نماز پڑھی جائے تو بہتر ہے، اتنا فاصلہ استنجاء وغیرہ سے فراغت کیلئے کافی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ **(فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلوۃ: جلد ۴: صفحہ ٧٦)**

معلوم ہوا رمضان المبارک میں جبکہ لوگ غلس ہی میں نماز فجر کیلئے جمع ہو جاتے ہیں، اور اسی وقت ادائیگی فجر میں **"تکثیر جماعت"** بھی ہے، تو ایسی صورت میں غلس ہی میں فجر کی نماز ادا کرنا افضل ہے۔

اعتراض نمبر (٢) :

بعض احادیث میں اس بات کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ اور اسلاف، غلس میں فجر ادا فرمایا کرتے تھے۔

اس کے ٢ جواب ہیں:

---

[24] الفاظ یہ ہیں: "عن زید بن ثابت قال تسحرنا مع رسول الله ﷺ ثم قمنا إلىٰ الصلاة ، قال : قلت كم كان قدر ذلک، قال : قدر خمسین آیة" ۔**(ترمذی: ١/ ٨٨، ابواب الصوم، باب ما جاء فی تأخیر السحور)**

(اول) مذکورہ بالا اہم تنبیہ اور اعتراض نمبر ا کے جواب (یعنی **ص: ۳۸** پڑھنے) سے اسکا جواب بھی بہت آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، کہ صحابہ کرامؓ اور اسلافِ امتؒ ہر رات کی اسی طرح قدر کرتے تھے جس طرح ہم شبِ قدر کی کرتے ہیں، راتوں کو تہجد میں گزارتے اور دن کو کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے، خود قرآن کرام میں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **"والذين يبيتون لربهم سجدا وقياماً"**۔ **(الفرقان:٦٤)** "اور جو راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے آگے (کبھی) سجدہ میں ہوتے ہیں، اور (کبھی) قیام میں"۔

لہٰذا وہ نماز فجر کیلئے بھی غلس ہی میں جمع ہو جاتے، پس اس صورت میں افضل یہی ہے کہ غلس ہی میں نمازِ فجر ادا کر لی جائے۔ جبکہ آج کے دور میں، فجر کو تاخیر سے پڑھنے میں جماعت کی کثرت ہوتی ہے۔ لہٰذا آج کے دور میں اسفار ہی میں فجر کی نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اور رمضان میں غلس میں جماعت کی کثرت ہوتی ہے۔ تو غلس ہی میں فجر کی نماز ادا کرنا افضل ہے۔

(دوم) اسلاف امت فجر میں طویل قرآت کیا کرتے تھے، چنانچہ:

- عموماً نبی کریم ﷺ ٦٠ سے ١٠٠ آیتوں تک تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ **(صحیح بخاری/٧٧١)**
- ایک مرتبہ آپ ﷺ نے سورہ مؤمنون پڑھنی شروع کی (جو تقریباً آدھے پارے کی ہے)۔ **(مسلم:٤٥٥)**
- حضرت ابو بکرؓ نے، مکمل سورہ بقرہ تلاوت فرمائی۔ (جو ڈھائی پارہ ہے)۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ:٣٥٦٥)** وغیرہ
- حضرت عمرؓ بھی سورہ یوسف اور سورہ یونس جیسی طویل سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ **(طحاوی:١٠٧٦)**
- ایک مرتبہ آپؓ نے سورہ کہف اور سورہ بنی اسرائیل تلاوت فرمائی (جو ایک پارہ سے زیادہ ہے)۔ **(طحاوی:١٠٧٩)**
- حضرت عمرؓ صرف خود طویل قرآت نہیں کرتے، بلکہ آپ نے اپنے گورنروں کو بھی حکم فرمایا تھا کہ طویل قرآت کیا کریں، چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ کو خط لکھا کہ اور فرمایا کہ فجر کی نماز غلس میں پڑھو اور تطویل قرآت کرو۔ (قال: قرأت كتاب عمر، إلى أبي موسى فيه مواقيت الصلاة، فلما انتهى إلى الفجر، أو قال: إلى الغداة، قال: «قم فيها بسواد، أو بغلس وأطل القراءة)، **(مصنف ابن ابی شیبہ:١/٢٨٣، رقم الحدیث ٣٢٣٥، مصنف عبد الرزاق:١/٥٧٠، رقم ٢١٧٠، شرح معانی الآثار:١/ ١٨١، رقم ١٠٨٦، ١٠٨٧)**

اس کی سند کو سلفی عالم شیخ عبد العزیز بن مرزوق الطریفی نے صحیح کہا ہے۔(**التحجیل**: صفحہ ٦٧) اسی طرح المطالب العالیہ کے سلفی محققین نے کہا ہے کہ یہ اثر حضرت عمرؓ سے ثابت ہے۔ (**المطالب العالیہ: جلد ٣: صفحہ ١٤٥ اور ١٥٩، رقم الحدیث ٢٥١، ٢٥٣**)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کا عام معمول فجر میں طویل قرآت کرنے کا تھا۔ اس وجہ سے وہ فجر کی نماز غلس میں شروع فرماتے، تا کہ طویل قرآت کر سکیں۔

البتہ بعض روایتوں میں یہ تذکرۃ ہے کہ وہ کبھی اسفار بھی کیا کرتے تھے:

(١) حضرت علیؓ (كان علي رضي الله عنه ينور بالفجر أحيانا , ويغلس بها أحيانا) کبھی غلس میں نماز پڑھتے اور کبھی اسفار میں۔(**شرح معانی الآثار للطحاوی: جلد ١: صفحہ ١٨٠، رقم الحدیث: ١٠٧٥ واللفظ لہ، الصلاۃ لأبي نعیم الفضل ابن دکین: صفحہ ٢٢٣، رقم الحدیث ٣٣٦**)

اس کی سند کے تمام روات ثقہ ہیں مگر سیف بن ہارون کی اکثر علماء جرح وتعدیل نے تضعیف کی ہے۔ بہر حال یہ سند سیف بن ہارون کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ اگلے آثار سے اس کو تقویت ملتی ہے۔

- حضرت علیؓ نے قنبرؒ سے کہا أسفر أسفر یعنی روشن کر روشن کرو۔ (**مصنف عبد الرزاق: ١/ ٥٦٩، مصنف ابن أبي شیبہ: حدیث نمبر ٣٢٦٣، طحاوی: ١/ ١٨٠، الاوسط ابن المنذر: ١/ ٣٧٨**)

(٢) ابو دوداءؓ نے فرمایا فجر کو روشن کر کے پڑھو یہ تمہارے لئے زیادہ سمجھداری کی بات ہے۔ (**مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ٣٢٦٦**)

ان دونوں اثروں کو سلفی عالم شیخ زکریا غلام قادر نے صحابہ کے صحیح آثار میں نقل کیا ہے۔(ماصح من آثار الصحابہ فی الفقہ: باب وقت الفجر: ١٧٠)

ان تینوں آثار سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی اسفار میں نماز فجر ادا کرتے اور کبھی غلس میں۔

نوٹ: ابن مسعودؓ، مغیرہؓ، حسین بن علیؓ سے بھی اسفار میں نماز فجر ادا کرنا مروی ہے۔(**مصنف ابن ابی شیبہ: ج ٣: ص ١٢٦-١٣١**)

تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ:

(۱) اسفار میں نماز پڑھنا افضل ہے۔(اس لئے کہ موجودہ دور میں عام طور سے اسی وقت جماعت کی کثرت ہوتی ہے)

(۲) البتہ اگر غلس میں ہی سب لوگ جمع ہو جائیں (جیسے کہ رمضان میں ہوتا ہے،) تو پھر اسی وقت پڑھ لینا افضل ہے۔

(۳) نیز اگر عام معمول طویل قرآت کا ہے۔ تو غلس میں شروع کریں اور اسفار میں ختم، صحابہ کرام اور اسلاف امت تہجد گزار ہوا کرتے تھے، لہذا غلس ہی میں فجر کیلئے جمع ہو جاتے۔ اور ان کا عام معمول طویل قرآت کا تھا، اسلئے وہ غلس میں نماز شروع کر دیتے اور ختم ہوتے ہوتے اسفار ہو جاتا۔(اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہیں، دیکھئے **مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۲۷۹، اسنادہ صحیح)**

- لیکن بعض مرتبہ غلس میں شروع کرتے اور قرآت طویل نہ کرتے تو غلس میں ہی نماز مکمل ہو جاتی۔

- اور بعض مرتبہ اسفار میں ادا کرتے۔(جماعت کی کثرت کے لئے)

ان تمام احادیث وآثار میں امام طحاویؒ **(م ۳۲۱ھ)** نے "تقریباً" اسی طرح کی تطبیق دی ہے۔ اور اسے علماء ثلاثہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مسلک قرار دیا ہے۔ **(شرح معانی الآثار: ۱/ ۱۷۹ – ۱۸۴)** اور اس تطبیق پر تمام روایتیں جمع ہو جاتی ہیں۔

آج اسفار میں نماز کیوں:

لیکن آج کے زمانہ میں اسفار ہی میں نماز فجر ادا کرنا افضل ومستحب ہے، اس لئے کہ:

اولاً تہجد گزاروں کی ایسی کثرت نہیں رہی کہ غیر رمضان میں، غلس ہی میں تمام لوگ نمازِ فجر کیلئے جمع ہو جاتے ہوں، نہ طویل قرآت کا معمول ہے،

دوم اب تکثیر جماعت (جس کی رعایت خود نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے) اسفار میں ہے، لہذا اب اسفار ہی میں پڑھنا افضل ہے۔

غیر مقلدین کی پیش کردہ ۲ روایتیں اور ان کا جواب:

پہلی روایت:

غلام مصطفی ظہیر امن پوری صاحب نے پہلی روایت یہ پیش کی: کہ

نبی کریم ﷺ صبح کی نماز پڑھتے پھر (نماز کے بعد) عورتیں اپنی چادروں سے لپٹی ہوئی نکلتیں، اور پہچانی نہیں جاتیں (من الغلس) اندھیرے کی وجہ سے (صحیح بخاری)۔ **(ضرب حق: شمارہ ٦: ص ٢٤)**

اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ آپ ہمیشہ غلس میں نماز شروع فرماتے اور غلس میں ختم فرماتے۔

الجواب:

اولا　　اس میں **"من الغلس، اندھیرے کی وجہ سے"** یہ جملہ حضرت عائشہؓ کا نہیں ہے، بلکہ راوی کی طرف سے بڑھایا ہوا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ:

یہی روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دوسری جگہ بغیر اس جملہ کے ہے۔ دیکھئے **(بخاری: ٣٧٢، مسلم: ٦٤٥)**، سنن ابن ماجہ میں یہی روایت بالکل صحیح سند سے ہے، جس میں صراحت ہے کہ **"تعنی من الغلس"**۔ یعنی راوی کہہ رہے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی مراد یہ ہے کہ اندھیرے کی وجہ سے۔

اسی طرح یہ روایت مسند ابی یعلیٰ میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے، جس کے الفاظ ہیں کہ (**وننصرف وما یعرف بعضنا وجوہ بعض**) ہم ایک دوسرے کے چہرے کو نہیں پہچان پاتے، **(مسند ابی یعلیٰ: ٤٤٣٩)** اس کے محقق اور عرب عالم شیخ حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس روایت میں **"من الغلس"** کا لفظ حضرت عائشہؓ کا نہیں، بلکہ کسی راوی کی طرف سے مدرج ہے۔

دوم　　بلکہ مسند ابی یعلیٰ کی اس روایت سے اس حدیث کا شان ورود مزید واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نماز کا وقت نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مسجد آنے والی عورتوں کا پردہ کا اہتمام اور بعد کی عورتوں کا اس میں تساہل بیان کر رہی ہیں۔

حدیث کے مکمل الفاظ یوں ہیں:

أن عائشة قالت: «لو رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم من النساء ما نرى لمنعهن من المساجد كما منعت بنو إسرائيل نساءها، لقد رأيتنا نصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر في مروطنا، وننصرف وما يعرف بعضنا وجوه بعض.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ عورتوں کی یہ حالت دیکھتے جو ہم دیکھ رہے ہیں تو آپ انہیں مسجدوں سے ایسے روک دیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روک دیا تھا، میں نے دیکھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی چادروں میں نماز پڑھتیں اور لوٹ آتیں کوئی ایک دوسرے کا چہرہ نہیں پہچانتا۔

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کا پردہ کا اہتمام بیان کر رہی ہیں، اور بعد کی عورتوں کا اس میں تساہل، ان کے بیان کا مقصد فجر کی نماز کا وقت بتانا نہیں ہے۔

سوم اگر یہاں یہ معنی لیا جائے کہ غلس کی وجہ سے نہیں پہچانی جاتی تھیں، تو خود صحیح بخاری کی دوسری روایت سے تعارض لازم آئے گا ، حضرت ابوبرزہ الاسلمیؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (**وكان ينفتل من صلاة الغداة، حين يعرف أحدنا جليسه، ويقرأ من الستين إلى المائة**) آپ ﷺ جب نماز ختم فرماتے تو اتنی روشنی ہو جاتی کہ آدمی اپنے پڑوس والے کو پہچان لیتا۔ (**صحیح بخاری: ۵۹۹**)

اسی طرح ایک روایت میں ہیں کہ (**والصبح إذا طلع الفجر إلى أن ينفسح البصر**) آپ ﷺ اس وقت نماز ختم فرماتے جب آنکھوں کو دور کی چیز نظر آنے لگتی۔ (**نسائی ۱/۹۴ – ۹۵، مسند أحمد ۳/۱۲۹ ، ۱۶۹**) سلفی عالم و محدث شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (**ارواء الغلیل: ۱/۲۸۰**)

معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے یہ مراد لینا کہ آپ ہمیشہ غلس میں نماز ختم کرتے تھے، دوسری صحیح روایتوں کے معارض بھی ہے۔

چہارم آپ ﷺ کی زمانے میں لوگ تہجد گزار تھے، اور وہ نماز فجر کی ادائیگی کیلئے غلس ہی میں مسجد میں جمع ہو جاتے تھے، اسلئے غلس میں فجر کی نماز ادا کرلی جاتی تھی، کیونکہ ایسی صورت میں یہی افضل ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اور آپ ﷺ کا عام معمول بھی طویل قرات کا تھا۔ جس کی تفصیل گزر چکی، نیز اس بات کا اشارہ ابوبرزہ الاسلمیؓ کی روایت سے بھی ملتا ہے۔ (دیکھئے سوم) اس لحاظ سے بھی نماز کو غلس میں شروع فرماتے۔ لہٰذا اگر طویل قرات یا جماعت کی تکثیر کی وجہ سے غلس میں نماز شروع کی جائے، تو اس کی اجازت ہے۔

لیکن کیا غیر مقلدین ان دونوں وجوہات کی بنا پر غلس میں نماز شروع کرتے ہیں ؟؟؟

دوسری روایت:

غلام مصطفی ظہیر امن پوری صاحب نے ایک روایت یہ بھی پیش کی: کہ

نبی کریم ﷺ (صلى الصبح مرة بغلس، ثم صلى مرة أخرى فأسفر بها، ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس حتى مات، لم يعد إلى أن يسفر) نے ایک مرتبہ غلس میں نماز ادا فرمائی، پھر دوسری مرتبہ اسفار میں نماز ادا فرمائی، اس کے بعد آپ ہمیشہ غلس میں ہی نماز ادا فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ **(ضرب حق: شمارہ ٦: ص ٢٥)**

الجواب:

اولا اس کی وجہ بیان کر دی کی گئی، کہ آپ ﷺ کی زمانے میں لوگ تہجد گزار تھے، اور وہ نماز فجر کی ادائیگی کیلئے غلس ہی میں مسجد میں جمع ہو جاتے تھے۔ آج بھی رمضان کے مہینے میں سحری کے بعد جب لوگ غلس میں ہی مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، تو پورے مضان میں نماز فجر غلس میں ہی ادا کی جاتی ہے۔ لہذا تکثیر جماعت یا طویل قرات کے وجہ سے، نماز فجر کو غلس میں ہی ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اور غیر رمضان میں تکثیر جماعت چونکہ اسفار میں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اکثر لوگ اب تہجد گزار نہیں رہے۔ لہذا غیر رمضان میں نماز فجر میں اسفار افضل ہے۔ واللہ اعلم

دوم اس روایت میں زہری (م ١٢٥ھ) موجود ہیں جو کہ مدلس ہیں۔ **(فتح المبین: ص ٦٢، نور العینین: ص ١١٨)** اور اس روایت میں انہوں نے سماع کی صراحت بھی نہیں کی، جو کہ خود ظہیر امن پوری صاحب اور غیر مقلدین کے اصول کی رو سے مردود ہے۔ لیکن موصوف نے اپنا ہی اصول بھولا کر، اس روایت کو حسن کہا ہے۔ (اللہ ان کی غلطی کو معاف فرمائے)

سوم اس روایت کے بارے میں:

- امام داود (م ٢٧٥ھ) نے کہا: "روى هذا الحديث عن الزهري معمر ومالك وابن عيينة وشعيب بن أبي حمزة والليث بن سعد وغيرهم، لم يذكروا الوقت الذي صلى فيه ولم يفسروه" اس حدیث کو زہری سے معمر، مالک، ابن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ، اللیث بن سعد وغیرہم نے بھی روایت کیا۔ لیکن ان حضرات نے نہ نماز کے وقتوں کا ذکر کیا اور نہ ہی اس کی تفصیل بیان کی۔ **(سنن ابی داؤد: ١/ ٢٩٥، رقم الحدیث ٣٩٤)**

- امام طبرانی (م ٣٦٠ھ) کہتے ہیں" ولم يحد أحد ممن روى هذا الحديث عن الزهري المواقيت إلا أسامة بن زيد" اس حدیث **"المواقیت"** کو زہری سے روایت کرنے میں اسامہ بن زید اکیلے ہے۔ **(المعجم الاوسط: ٨/ ٢٩٩، رقم ٨٦٩٤)**

- امام ابن خزیمہؒ (م ٣١١ھ) فرماتے ہیں: " هذه الزيادة لم يقلها أحد غير أسامة بن زيد" اس زیادتی کو اسامہ بن زید کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ (**صحیح ابن خزیمہ: ١/٢١٣، رقم ٣٥٣**)

الغرض معلوم ہوا کہ معمرؒ، مالک بن انسؒ، ابن عیینہؒ، شعیب بن ابی حمزہؒ، اللیث بن سعدؒ جیسے ثقہ، ثبت حفاظ کے مقابلے میں صرف اسامہ بن زیدؒ [ثقہ عند الجمھور] اس زیادتی کو بیان کرنے میں منفرد ہیں اور پھر بعض علماء جرح وتعدیل نے اسامہؒ کے حافظہ کی کمزوری کی بھی نشادہی کی ہے۔ جس کا اقرار خود سلفی علماء کرچکے ہیں۔ چناچہ سلفی عالم ومحدث شیخ البانیؒ کہتے ہیں "أن أسامة بن زيد الليثي- وإن كان ثقة من رجال مسلم-؛ فإن في حفظه بعض الضعف" اسامہ بن زید لیثی اگرچہ ثقہ ہیں، مسلم کے رجال میں سے ہیں مگر ان کے حافظہ میں کچھ ضعف ہے۔ (**صحیح ابو داؤد، الام ١/٤٢٢**) اسی طرح دوسرے سلفی عالم شیخ عبد العزیز بن مرزوق الطریفی کہتے ہیں کہ "أسامة بن زيد الليثي وفيه ضعف" اسامہ بن زید لیثی میں کچھ ضعف ہے۔ (التحجیل: صفحہ ٦٠)، مصر کے مشہور سلفی محدث ابو اسحاق الحوینیؒ نے کہا: " مُتَكَلَّمٌ في حفظه " ان کے حافظہ پر کلام کیا گیا۔ (**تفسیر ابن کثیر: ج٣: ص٢٧٦، بذل الاحسان: ج٢: ص٢٧٢**)

لہذا ثقہ، ثبت حفاظ کے مقابلے میں کیا ایسے راوی کی زیادتی غیر مقلدین کی نزدیک مقبول ہو گی؟؟

یہ بھی یاد رہے کہ غیر مقلدین نے اکثر ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں دوغلی پالسی کا ثبوت دیا ہے۔ **جس کی تفصیل** ص: ٢٦ **پر موجود ہے۔**

لہذا غلام مصطفیٰ ظہیر صاحب سے گزارش ہے کہ وہ ثقہ کی زیادتی کے مسئلہ میں اپنے موقف کی وضاحت کریں اور اوپر موجود سوالات کے جوابات دیتے ہوئے، بتائیے کہ وہ کن حدیثوں کو صحیح، کن کو ضعیف اور کن اقوال کو مردود تسلیم کرتے ہیں؟ تاکہ معلوم ہو کہ اسامہ بن زید اللیثیؒ کی زیادتی ان کے نزدیک صحیح ہے یا ضعیف؟؟

خلاصہ:

(١) فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا افضل ہے، یہی قرآن وسنت کے زیادہ موافق ہے۔ تاخیر کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ (موجودہ زمانے) اس میں جماعت کی کثرت ہوتی ہے۔ اور آپ ﷺ بھی جماعت کی کثرت کیلئے کبھی انتظار فرمایا کرتے تھے۔

(٢) حدیث شریف کے مطابق اتنی تاخیر مستحب ہے کہ تیر پھینکا جائے، تو اس کے گرنے کی جگہ نظر آئے، جس کی تفصیل گزر چکی۔

(٣) اگر غلس ہی میں پڑھنے میں تکثیرِ جماعت ہو تو اسی وقت پڑھنا افضل ہو گا۔

(۴) اسلاف سے اسفار اور غلس دونوں ثابت ہیں۔ عام معمول غلس میں پڑھنے کا تھا، اس لئے کہ اسی وقت لوگ اکثر جمع ہو جاتے، اور اس وقت پڑھنے میں بھی تکثیر جماعت ہوتی، نیز تطویل قرآت کی جاتی تھی، اس لئے غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم فرماتے۔ البتہ کبھی کبھی اسفار میں بھی پڑھنے کا معمول تھا۔

(۵) جن روایتوں میں غلس میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ غلس میں شروع فرماتے اور اسفار میں ختم کرتے۔ کبھی کبھی غلس میں بھی ختم فرمادیتے۔

(٦) جن روایتوں میں یہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اسفار میں پڑھی پھر اسفار میں نہیں پڑھی اس کا مطلب ہے کہ اسفار شدید میں پڑھی۔ اس زمانہ میں، عام دنوں میں تکثیر جماعت اسفار میں ہوتی ہے، لہذا اسفار میں ہی پڑھنا افضل ہے۔

ھذا ماعندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ظہر کا مسنون وقت

-مفتی ابن اسماعیل المدنی

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ

"وقت الظهر إذا زالت الشمس و كان ظل الرجل كطوله، مالم يحضر العصر"

ظہر کا وقت اس وقت سے ہے، جب سورج ڈھل جائے اور آدمی کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے (اور ختم نہیں ہوتا) جب تک عصر کا وقت نہ آئے۔ (**صحیح مسلم: صفحہ ۲۷۷، حدیث نمبر ۱۳۸۸، دوسرا نسخہ: جلد ۱: صفحہ ۴۲۷، شرح معانی الآثار: جلد ۱: صفحہ ۱۴۹، حدیث نمبر ۹۰۷، واسنادہ صحیح**)

اس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے، مگر زوال کے بعد فوراً ظہر پڑھنا نہیں ہے، بلکہ مؤخر کر کے پڑھنی ہے،

اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (**صل الظهر إذا كان ظلك مثلك**) جب تمہارا سایہ تمہارے برابر ہو جائے، تو ظہر کی نماز ادا کرو۔ (**مؤطا امام مالک: جلد ۱: صفحہ ۸، حدیث نمبر ۹، واسنادہ صحیح**) مزید جب شدید گرمی ہوتی، تو حضور ﷺ ظہر کی نماز دیر سے ادا فرماتے تھے۔ (**صحیح بخاری: حدیث نمبر ۵۳۸، کتاب الام: جلد ۱: صفحہ ۹۱**)

ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے:

آپ ﷺ سے ایک مثل کے بعد بھی ظہر کی نماز پڑھنا بھی ثابت ہے:

چنانچہ **ترمذی: حدیث نمبر ۱۵۸** میں ہے کہ (**قال: حتى رأينا فيء التلول، ثم أقام فصلى**) جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظہر کی نماز کیلئے اقامت کہنی چاہی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھنڈا ہونے دو، راوی بیان کرتے ہیں کہ (تاخیر اتنی کی کہ) ہم نے دیکھا کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر ہو گیا، پھر آپؐ نے اقامت کہی،

اس طرح **بخاری: حدیث نمبر ۵۳۹** میں بھی ہے کہ (**حتى رأينا فيء التلول**) (تاخیر اتنی کی کہ) ہم نے دیکھا کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے مساوی ہو گیا۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن الملقنؒ (م ۸۰٦ھ) کہتے ہیں کہ

”التلول: جمع تل، وھو کل بارز علی وجه الأرض من تراب أو رمل، ولا یصیر لھا فیئ عادة إلا بعد الزوال بکثیر، وأما الظل فیطلق علی ما قبله أیضاً، وقد أوضحت ذلک فی ”لغات المنھاج“، وظل التلول لا یظھر إلا بعد تمکن الفیئ واستطالته جداً، بخلاف الأشیاء المنتصبة التی یظھر ظلھا سریعا“

تلول، یہ تِل کی جمع ہے، اور تل سطحِ زمین پر مٹی یا ریت کے ابھرے ہوئے تودہ کو کہتے ہیں، اور عادتاً اس کا فیئ (سایہ) بہت زوال کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے، اور رہا اس کا ظل (سایہ) تو اس کا اطلاق اس سے پہلے پر بھی ہوتا ہے، لغات المنہاج میں اس کی وضاحت کر دی ہے، اور تودوں [ابھری ہوئی زمین یا ریت] کا سایہ بہت زیادہ پھیلنے کے بعد ہی ظاہر ہوتا ہے، بر خلاف کھڑی ہوئی اشیاء کہ اس کا سایہ جلد ظاہر ہوتا ہے۔ **(التوضیح لابن الملقن: ج٦: ص١٥٣)**

کھڑی ہوئی اشیاء [جن کو عربی میں ’الأشیاء المرتفعة‘ کہتے ہیں] اور زمین پر مٹی یا ریت کے ابھرے ہوئے تودہ [جن کو عربی میں ’الأشیاء المنبسطة‘ کہتے ہیں] کے سایہ کی تصویری شکل ملاحظہ فرمائے جس سے یہ حدیث کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔
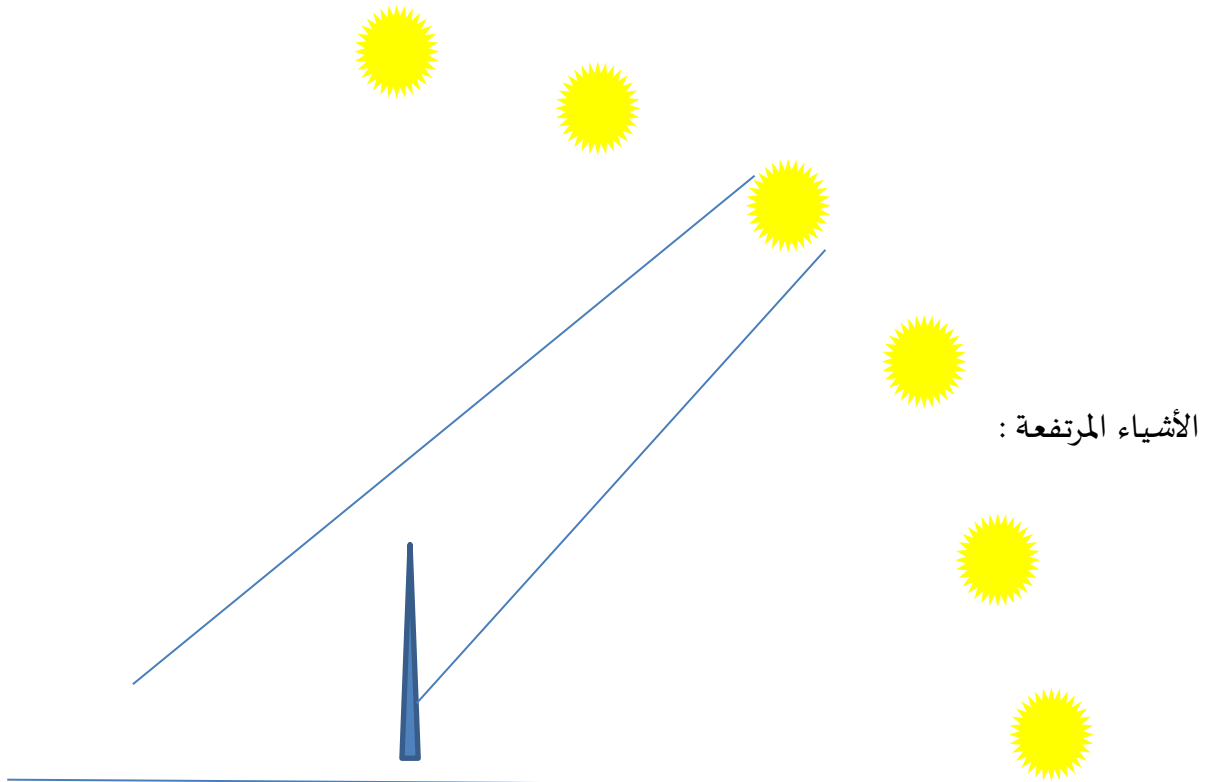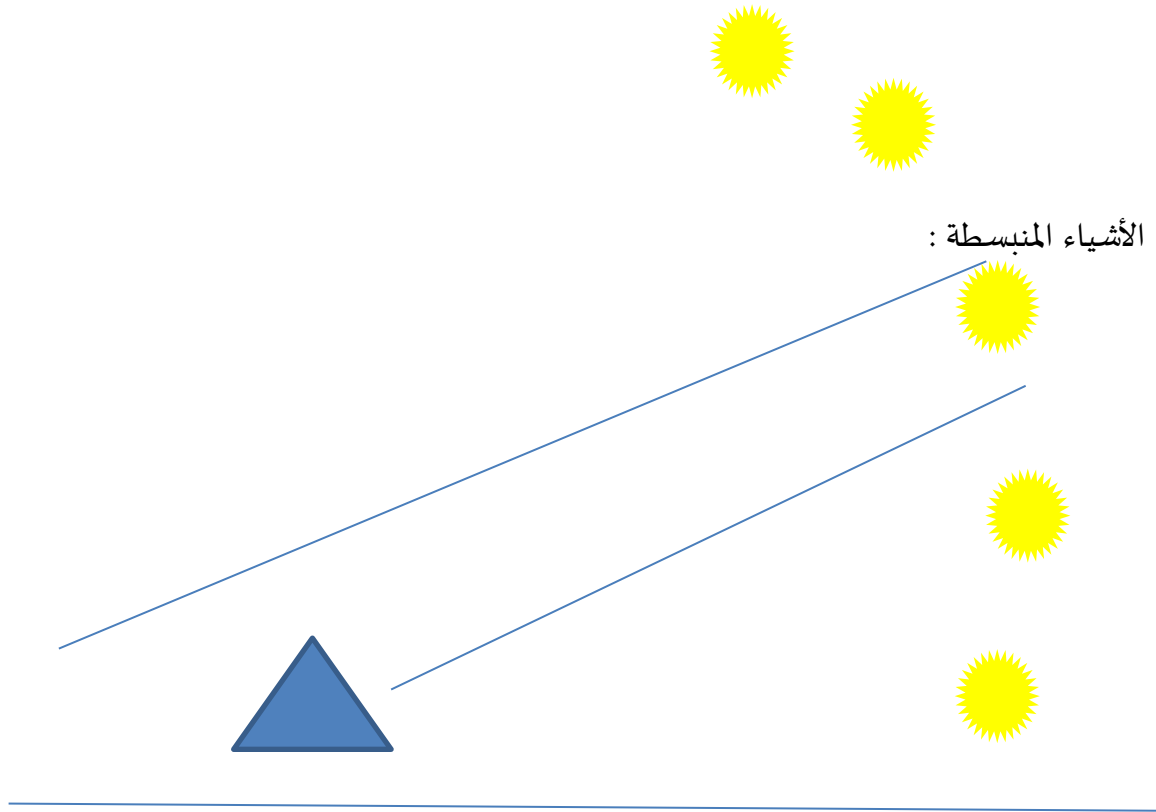
غور فرمائے! کھڑی ہوئی اشیاء[الأشياء المرتفعة] کے مقابلے میں زمین پر مٹی یاریت کے ابھرے ہوئے تودہ [الأشياء المنبسطة] کا سایہ بہت دیر کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور بہت زیادہ تاخیر کے بعد اس کا سایہ اس کے ایک مثل کے ہوتا ہے۔(حدیث میں بھی تودے کے سایہ کے ایک مثل ہونے کا ذکر ہے)

یہی وجہ ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ(م ۱۳۵۳ھ) بھی فرماتے ہیں کہ:

"**قوله:(حتی رأينافيئ التلول) وعند البخاری فی الأذان حتی ساوی الظل التلول ,وهذا يدل علی أن وقت الظهر يبقی إلی المثلين**" بخاری کتاب اذان میں موجود حدیث (**حتی رأينافيئ التلول حتی ساوی الظل التلول**) دلالت کرتی ہے کہ ظہر وقت دو مثل تک باقی رہتا ہے، آگے شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ:

"**لأن التلول فی الغالب تكون منبطحة ولا تكون شاخصة فلا يظهر لها ظل إلا بعد غاية التأخير, فالمساواة لا تكون إلا بالمثلين، وأقر النووی بأنه دال علی التأخير الشديد**" اس لئے کہ تودے[ابھری ہوئی زمین یاریت]عام طور سے پستہ قد اور اونچے نہیں

ہوتے اور ان کا سایہ بہت ہی تاخیر کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔لہذا اس کا سایہ ایک مثل اسی وقت ہو گا جب کہ دوسری اشیاء کا سایہ دو مثل کے قریب قریب ہو گا۔امام نوویؒ نے بھی اقرار کیا ہے کہ تودے کا سایہ اس کے مساویہ [یعنی ایک مثل] ہونا بہت زیادہ تاخیر پر دلالت کرتا ہے۔(**فیض الباری: جلد ۲ : صفحہ ۱۴۵، رقم الحدیث:۵۳۹**)

مزید عبارات:

والتلول: جمع تل بفتح المثناة الفوقية وتشديد اللام، وهو كل ما اجتمع على الأرض من تراب أو رمل أو نحو ذلك، وهي في الغالب منبطحة غير شاخصة، فلا يظهر لها ظل إلا إذا ذهب أكثر وقت الظهر۔ (التحبير لإيضاح معاني التيسير : ١١٤/٥)

(حتى رأينا فيئ التلول) الفيئ رجوع الظل من جانب المشرق إلى صائب المغرب، وقال أهل اللغة: كل ما كانت عليه الشمس فزالت فهو فيئ، وقيل: الفيئ لا يكون إلا بعد الزوال، والظل يطلق على ما قبل الزوال وما بعده و "التلول" بضم التاء جمع "تل" وهو ما اجتمع على الأرض من تراب أو رمل أو نحو ذلك، وهي في الغالب منبطحة غير عالية، فلا يظهر لها ظل إلا إذا ذهب أكثر وقت الظهر۔ (فتح المنعم شرح مسلم لموسىٰ لاشين المصري: ٣١٨/٣)

نوٹ:

ظل اور فیئ، اور اردو میں دونوں کا ترجمہ سایہ سے کیا جاتا ہے، مگر عربی میں ان دونوں میں فرق ہے، ظل کا لغوی معنیٰ چھپانے کے ہیں، اور اصطلاح میں 'مانسختہ الشمس' یعنی وہ سایہ جو دھوپ آنے کی وجہ سے ختم ہو، اور یہ شروع دن سے دن کے اخیر تک ہوتا ہے۔

اور فیئ کے اصل معنی رجوع اور لوٹنے کے ہیں، اور اصطلاح میں ' ما نسخ الشمس' جو دھوپ کو ختم کرے، یعنی سورج کے ڈھلنے کے بعد کسی چیز کا جو سایہ ہوتا ہے، اس کو فیئ کہتے ہیں۔

فیئ کا اطلاق زوال کے بعد کے سایہ پر ہی ہوتا ہے،[28] اور بخاری کی حدیث میں فیئ کا لفظ ہے۔

---

[28] **قال ابن السكيت (م ٢٤٤ھ):**

والظل: مانسخته الشمس، والفيئ: مانسخ الشمس۔ **(إصلاح المنطق: ص ٢٢٨)**

وقال الدينوري (م ٢٧٦ھ):

معرفة ما يضعه الناس في غير موضعه:

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ایسے وقت پڑھی جبکہ ٹیلوں کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا، لہذا ان احادیث سے ظاہر ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔

اعتراض:

غیر مقلد عالم غلام مصطفیٰ امن پوری صاحب کہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق سفر سے ہے نہ کہ حضر سے۔ **(السنۃ: شمارہ نمبر ۲۰: صفحہ ۷)**

الجواب:

حالت سفر میں بھی ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا لازم ہے، اور ۲ نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا جائز نہیں، سوائے ایام حج میں مزدلفہ کی رات میں، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز کے اپنے وقت کے علاوہ کبھی (دوسرے وقت میں) نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر ۲ نمازیں مغرب اور عشاء مزدلفہ میں۔ **(صحیح مسلم: صفحہ ۷۹۲، حدیث نمبر ۱۶۹۹**[29]**، دوسرا نسخہ: جلد ۲: صفحہ ۹۳۸)**

معلوم ہوا کہ مزدلفہ کے علاوہ کہیں بھی ۲ نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

تنبیہ:

ومن ذلک: "الظل والفیئ" یذھب الناس إلی أنھما شیئ واحد، ولیس کذلک، لأن الظل یکون غدوۃ وعشیۃ، ومن أول النھار إلی آخرہ، ومعنی الظل الستر، ومنہ قول الناس "أنا فی ظلک" أي: فی ذراک وسترک، ومنہ "ظل الجنۃ"، وظل شجرھا إنما ھو سترھا ونوحیھا، وظل اللیل: سوادہ، لأنہ یستر کل شیئ، ---------------- والفیئ لا یکون إلا بعد الزوال، ولا یقال لما قبل الزوال فیئ، وإنما سمي بالعشي فینا لأنہ ظل فاء عن جانب إلی جانب، أي: رجع عن جانب المغرب إلی جانب المشرق، والفیئ ھو الرجوع، ومنہ قول اللہ عز وجل: حتی تفیئ إلی أمر اللہ (أي: ترجع إلی أمر اللہ)۔ أدب الکاتب: صفحہ ٢١، ٢٦)

[29] **صحیح مسلم: ص ۷۹۲: حدیث نمبر ۱۶۹۹، دوسرا نسخہ: جلد ۱: صفحہ ۴۸۹**، روایت کے الفاظ یہ ہیں: **عن عبد اللہ، قال ما رأیت رسول اللہ ﷺ صلی صلاۃ إلا لمیقاتھا، إلا صلاتین: صلاۃ المغرب والعشاء بجمع۔**

جو شخص سفر میں ہو یا سخت بیمار ہو، اس کے لئے نماز ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص مثلا ظہر کی نماز کو اتنا مؤخر کرے کہ عصر کا وقت قریب ہو جائے، اور جب عصر کا وقت قریب ہو تو ظہر کی نماز پڑھ لے اور جب ظہر کا وقت ختم ہو جائے، تو عصر کی نماز ادا کر لے، کیونکہ نبی ﷺ سفر میں ایک نماز کو مؤخر اور دوسری نماز مقدم فرماتے تھے۔[30]

اس دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سفر میں ایک نماز کو مؤخر اور دوسری کو مقدم فرماتے تھے، یعنی دونوں نمازوں کو اپنے ہی وقتوں پر پڑھتے تھے اور غیر مقلدین کے نزدیک ایک حدیث دوسری حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔**(نور العینین: ص ۱۲۰ ، دین الحق: ج ۱: ص ۳۲۱)**

لہذا یہ بخاری والی روایت (حتی رأینافیئ التلول) میں بھی آپ ﷺ نے ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے، ظہر کے آخری وقت میں ہی ادا کیا تھا۔

اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز کو عصر کے وقت میں پڑھا، کیونکہ ایسا آپ ﷺ نے مزدلفہ کے علاوہ، کہیں بھی نہیں کیا، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت گزر چکی۔

الغرض خلاصہ یہ کہ اس روایت میں آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھی تھی، لہذا ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔

نوٹ:

اوپر حدیث گزر چکی کہ جب تک عصر کا وقت نہ ہو جائے، ظہر کا وقت باقی رہتا ہے، کئی فقہاء اور صحابہ کا مذہب ہے کہ عصر کو مؤخر کر کے، ۲ مثل کے وقت پڑھنا چاہیے، اور یہ بات آپ ﷺ کی حدیث سے ثابت ہے، جس کی تفصیل 'عصر کا مسنون وقت' کے تحت آ رہی ہے۔

اس لحاظ سے بھی ثابت ہوتا کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔ اور یہی راجح اور درست ہے۔ واللہ اعلم

---

[30] روایت کے الفاظ یہ ہیں: **عن أنس عن رسول ﷺ: أنه كان إذا عجل به السير يؤخر الظهر إلى وقت العصر فيجمع بينهما، ويؤخر المغرب حتى يجمع بينهما وبين العشاء حتى يغيب الشفق۔ (سنن نسائی: حدیث نمبر ۵۹۴، صحیح مسلم: صفحہ ۲۸۸، حدیث نمبر ۱۶۲۵، دوسرا نسخہ: جلد ۱: صفحہ ۴۸۹، شرح معانی الآثار: حدیث نمبر ۹۸۴)**

★ عصر کی نماز کا مسنون وقت ★ امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) امام ایوب سختیانیؒ (المتوفی ۱۳۱ھ) کی نظر میں

★ کیا امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) کو کفر سے دوبار توبہ کرائی گئی؟ ایک اعتراض کا جواب

ALIJMA FOUNDATION

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

عصر کی نماز کا مستحب وقت۔

-مفتی ابن اسماعیل المدنی

-مولانا نذیر الدین قاسمی

عصر کی نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے، مشہور روایت کے مطابق امامِ اعظم ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰؁ھ) کا کہنا ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ، دو مثل کے برابر ہو جائے، تب سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ **(مؤطا امام محمد: ص ۳۱، کتاب الاصل المشہور بالمبسوط: جلد ۱: صفحہ ۱۴۴)**، حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی یہی موقف ہے۔ **(مؤطا امام مالک: صفحہ ۸)**، ایک روایت کے مطابق امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱؁ھ) کا بھی یہی مسلک ہے۔ **(الاسماء والکنیٰ للامام الدولابی: جلد ۲: صفحہ ۵۷۷)**، لیکن جمہور کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل پر ہی شروع ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے:

امام محمدؒ (م ۱۸۹؁ھ) فرماتے ہیں کہ:

أخبرنا مالك، حدثنا عبد الله بن دينار، أن عبد الله بن عمر أخبره، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إنما أجلكم فيما خلا من الأمم، كما بين صلاة العصر إلى مغرب الشمس؟ وإنما مثلكم ومثل اليهود، والنصارى كرجل استعمل عمالا، فقال: من يعمل لي إلى نصف النهار على قيراط قيراط؟ قال: فعملت اليهود، ثم قال: من يعمل لي من نصف النهار إلى العصر على قيراط قيراط؟ فعملت النصارى على قيراط قيراط، ثم قال: من يعمل لي من صلاة العصر إلى مغرب الشمس على قيراطين قيراطين، ألا فأنتم الذين يعملون من صلاة العصر إلى مغرب الشمس على قيراطين قيراطين، قال: فغضب اليهود والنصارى وقالوا: نحن أكثر عملا، وأقل عطاء، قال: هل ظلمتكم من حقكم شيئا؟ قالوا: لا، قال: فإنه فضلي أعطيه من شئت۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری زندگی کی مدت اس قدر ہے جس قدر **عصر اور غروبِ آفتاب** کا درمیانی وقفہ ہوتا ہے، تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی نے مزدور کو کام پر لگایا اور کہا کہ کون ہے جو میرے لئے (صبح سے) دوپہر تک ایک قیراط کے بدلہ یہ کام کرے؟ یہود نے کام کیا۔

پھر اس شخص نے کہا: کون ہے جو ایک قیراط کے بدلہ میں عصر تک کام کرے؟ تو نصاریٰ نے ایک قیراط کے بدلہ نمازِ عصر تک کام کیا، پھر اسی شخص نے کہا: کہ ۲ قیراط کے بدلہ نمازِ عصر سے مغرب تک کون میرا کام انجام دے گا؟

(اس پر حضور ﷺ کے ارشاد فرمایا) سن لو! وہ لوگ تم ہو، جو نمازِ عصر سے مغرب تک کام کرتے ہو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس بات پر یہود و نصاریٰ ناراض ہوئے اور کہنے لگے: **ہم نے زیادہ کام کیا مگر مزدوری کم ملی،** اس شخص نے کہا: کیا میں نے تمہارے حق میں کسی قسم کی کوئی کمی کی ہے؟

یہود و نصاری نے جواب دیا نہیں۔

اس نے کہا: یہ میری طرف سے احسان ہے، جس پر چاہوں احسان کروں۔ **(مؤطا امام محمد: حدیث ۱۰۰۸،** واللفظ لہ، **صحیح بخاری: حدیث ۵۵۷)**

استدلال یہ ہے: یہود و نصاریٰ کا قول: **"ہم نے زیادہ کام کیا مگر مزدوری کم ملی"** اس پر دلالت کرتا ہے کہ ظہر کا وقت، عصر کی نماز سے زیادہ ہے، کیونکہ نصاریٰ نے دوپہر (ظہر) سے عصر تک کام کیا تھا اور زیادہ کام اسی وقت ہوگا جب زیادہ وقت ہو، لہذا یہ حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ عصر کا وقت، ظہر کے وقت کے مقابلہ میں تھوڑا ہے، اور اسی وجہ سے کہا گیا کہ دو مثل سے شروع ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ:

۱ — امام ابو زید الدبوسیؒ **(م ۴۳۰ھ)** فرماتے ہیں کہ:

"فضرب قصر المدّة لقلّة العمل مثلًا قال: فجاء من هذا الأن مدّة العصر أقصر، وإنما تكون أقصر إذا كان الجواب كما قاله أبو حنيفة رحمه الله تعالى"۔

پس یہ بتانے کے لئے کہ عمل کم کیا ہے، مثال میں وقت کے چھوٹے ہونے کو بیان کیا، تو اس سے یہ بات نکل کر آئی کہ عصر کا وقت (بمقابلہ ظہر کے) چھوٹا ہے، اور عصر کا وقت (بمقابلہ ظہر) چھوٹا اسی وقت ہو گا جبکہ جواب امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق ہو۔ **(کتاب الاسرار للدبوسی** بحوالہ شرح ابن ماجہ للمغلطائی: صفحہ ۱۰۰۲)

۲ – امام محمدؒ **(م ۱۸۹ھ)** نے بھی عصر میں تاخیر کو افضل قرار دیا ہے، اور کہا:

'ألا ترى أنه جعل ما بين الظهر إلى العصر أكثر مما بين العصر إلى المغرب في هذا الحديث، ومن عجل العصر كان ما بين الظهر إلى العصر أقل مما بين العصر إلى المغرب، فهذا يدل على تأخير العصر۔'

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ظہر اور عصر کے درمیان جو وقفہ ہے وہ عصر اور مغرب کے درمیانی وقفہ سے زیادہ ہے، لہٰذا یہ حدیث عصر کو تاخیر سے پڑھنے پر دلالت کرتی ہے۔ **(مؤطا امام محمد: حدیث نمبر ۱۰۰۸)**

۳- امام ابو بکر الرازیؒ **(م ۳۷۰ھ)** فرماتے ہیں کہ:

'هذا الحديث يدل من وجهين على صحة قول أبي حنيفة: أحدهما: قوله صلى الله عليه وسلم: "إنما أجلكم في أجل من خلا من الأمم كما بين صلاة العصر إلى مغرب الشمس"، وإنما قصد به الإخبار عن قصر المدة .... والوجه الآخر من دلالة الخبر على ما قلنا: قوله صلى الله عليه وسلم: فغضبت اليهود والنصارى، قولوا: كنا أكثر عملًا، واقل عطاء"، ومعلوم أن كثرة عملهم كانت لأجل امتداد وقتهم، وقصر وقت أمتنا. فلو كان وقت العصر من حين المثل، لصار وقت العصر أطول من وقت الظهر، وهذا يبطل معنى التشبيه؛ لأن النصارى حينئذ لا يكونون أكثر عملًا، فدل ذلك على أن وقت الظهر أوسع من وقت العصر۔'

یہ حدیث دو وجہوں سے امام ابو حنیفہؒ کے قول کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے:

۱) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری مدت پچھلی امتوں کے مقابلہ میں (ایسی ہے) جیسے عصر اور مغرب کے درمیان (کا وقفہ)، اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد، مدت کے کم ہونے کو بتانا ہے۔

۲) یہ حدیث ایک دوسرے انداز سے بھی ہمارے موقف پر دلالت کرتی ہے، (اور وہ اس طرح) کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہود و نصاریٰ نے ناراض ہوتے ہوئے کہا: ہمیں اجرت کم ملی حالانکہ ہم نے کام زیادہ کیا''، اور یہ معلوم

ہے کہ ان کے کام کی زیادتی، ان کے وقت کے طویل، اور ہمارے وقت کے مختصر ہونے کی وجہ سے ہے، پس اگر عصر کا وقت مثل (اول) سے شروع ہو جائے تو عصر کا وقت ظہر کے وقت سے طویل ہو جائے گا، اور اس سے تشبیہ بے معنی ہو کر رہ جائے گی، اس لئے کہ اس وقت نصاریٰ زیادہ کام کرنے والے نہ ہوں گے، پس یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ظہر کا وقت عصر کے وقت سے وسیع ہے۔ **(شرح مختصر الطحاوی: جلد ۱: صفحہ ۴۹۶، ۴۹۷)**

اس حدیث کیوجہ سے امام ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ نمازِ عصر کا وقت دو مثل سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ اقوال گزر چکے، نیز دیکھئے: **(شرح ابن ماجہ للمغلطائی: صفحہ ۹۹۹، ۱۰۰۲، نخب الافکار للعینی: جلد ۳: صفحہ ۱۴۱)**

احناف نے بھی احتیاط کو راجح قرار دیتے ہوئے، یہی کہا کہ عصر کا وقت ۲ مثل پر شروع ہوتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ عصر کی نماز کو تاخیر سے (یعنی دو مثل کے بعد) پڑھتے تھے۔

دلائل درجِ ذیل ہیں:

دلیل نمبر ۱:

امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال حدثنا عبد الواحد بن نافع أبو الرماح شهدت عبد الرحمن بن رافع بن خديج قال أخبرنی أبی أنه كان سمع النبي ﷺ يأمر بتأخير العصر۔

حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو عصر کی نماز کے لئے تاخیر کا حکم دیتے ہوئے سنا۔ **(التاریخ الاوسط للبخاری: جلد ۲: صفحہ ۶۵)**

اس روایت کے راویوں کا حال درجِ ذیل ہے:

۱ – امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) مشہور ثقہ ثبت، امام، حافظ الحدیث اور امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔

۲ – امام موسیٰ بن اسماعیلؒ (م ۲۲۳ھ) بھی ثقہ، مضبوط امام ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۹۴۳)**

۳ – عبد الواحد بن نافعؒ بھی ثقہ راوی ہیں۔

ابن حبانؒ اور امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار فرمایا ہے۔ **(کتاب الثقات لابن حبان: جلد۷: صفحہ ۱۲۵، کتاب الثقات للقاسم: جلد٦: صفحہ ۵۰۱)** امام ذہبیؒ شیخ کہتے ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: ج۴: ص۱۴۳)**

اور غیر مقلدین کے نزدیک کسی راوی کو 'شیخ' کہنا توثیق ہے، چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود صاحب **'شیخ'** کو تعدیل کے الفاظ میں شمار کرتے ہیں۔ **(اصطلاح المحدثین: صفحہ ۱۷)**

بلکہ اہل حدیث عالم ڈاکٹر سہل حسن، لفظِ 'شیخ' کو **'صدوق'** اور **'لابأس به'** کے درجہ کی تعدیل قرار دیتے ہیں، نیز کہتے ہیں کہ **ان کی** (یعنی جس راوی کو **شیخ کہا جائے، اس کی) حدیث قابلِ قبول ہے۔ (معجم الاصطلاحات: صفحہ ۳۲۴)**

نیز، امام بخاریؒ نے ان کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے، لیکن ان پر کوئی جرح نہیں کی۔ **(التاریخ الکبیر: ٦ /٦١)** اور جب امام بخاریؒ کسی راوی کا ذکر اپنی تاریخ میں کریں، لیکن اس کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائیں، تو غیر مقلدین کے نزدیک یہ امام بخاریؒ کی طرف سے توثیق ہوتی ہے۔ **(میزان مناظرہ: جلد ۲: صفحہ ۱۱۰- ۱۱۱، حافظ عبد القادر روپڑی، مرعاۃ المفاتیح: ج۷: ص ۹۰، مسند احمد: ج۱: ص ۳٦۲، تحقیق شاکر)**

پھر امام ابن ابی حاتمؒ نے بھی ان کا ذکر اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں کیا ہے، لیکن کوئی جرح نہیں کی۔ **(الجرح والتعدیل: جلد٦: صفحہ ۲٦)** اور ایسا کرنا بھی غیر مقلدین کے نزدیک امام ابن ابی حاتمؒ کی طرف سے راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ دیکھئے **(مرعاۃ المفاتیح: ج۷: ص ۹۰، مسند احمد: ج۱: ص ۳٦۲، تحقیق شاکر)**

الغرض معلوم ہوا کہ عبد الواحد بن نافعؒ خود غیر مقلدین کے اصول کی رو سے ثقہ ہیں۔ لہذا بعض علماء کا انہیں مجہول یا ضعیف کہنا، جرح غیر مفسر ہونے کی وجہ سے خود اہل حدیثوں کے اصول کی روشنی میں مردود ہے۔[1]

---

[1] امام ابن حبانؒ نے عبد الواحد بن نافعؒ پر جرح بھی کی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

عبد الواحد بن نافع الكلاعي أبو الرماح شيخ يروي عن أهل الحجاز المقلوبات وعن أهل الشام الموضوعات لا يحل ذكره في الكتب إلا على سبيل القدح فيه وهو الذي روى عن عبد الله بن رافع بن خديج عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأمر بتأخير العصر أخبرناه محمد بن جعفر بن طرخان قال حدثنا الحسن بن محمد بن

الصباح قال حدثنا يعقوب بن إسحاق الحضرمي قال حدثنا عبد الواحد بن الكلاعي عن عبد الله بن رافع بن خديج۔ (المجروحین: جلد ۲: صفحہ ۱۵۴)

لیکن امام ابن حبانؒ کی جرح مقبول نہیں ہے، کیونکہ وہ جرح میں متشدد ہیں، جس کا اقرار خود غیر مقلدین کر چکے ہیں۔

چنانچہ، شیخ البانیؒ، شیخ شریف حاتم بن عارف، شیخ عبد الرحمن **المعلمی** اور شیخ مقبل بن ہادی رحمہم اللہ وغیرہ سلفی علماء نے ابن حبانؒ کو جرح میں متشدد قرار دیا ہے۔(**سلسلہ احادیث ضعیفہ: جلد ۱۲: صفحہ ۱۸۰، خلاصہ التأصیل: صفحہ ۳۲، آثار الشیخ المعلمی: جلد ۱۰: صفحہ ۱۱۳، المقترح للوادعی: صفحہ ۳۰**)

اسی طرح محدثین نے بھی انہیں متشدد قرار دیا ہے:

عثمان بن عبد الرحمن الطرائفیؒ پر ابن حبانؒ نے جرح کی، جس کے جواب میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ 'أما ابن حبان فإنه يقعقع كعادته ' رہے ابن حبانؒ، تو انہوں نے اپنی عادت کے مطابق ان پر کلام کیا ہے۔(**میزان الاعتدال: جلد ۳: صفحہ ۴۵**) ، ایک اور مقام پر عامرؒ کا دفاع کرتے ہوئے امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ ابن حبانؒ نے عامر کے بارے میں شدت سے کام لیتے ہوئے، زیادتی کی۔(**میزان: جلد ۴: صفحہ ۸**)، ایک جگہ سوید بن عمرو الکلبی کے دفاع میں تحریر کرتے ہیں کہ جہاں تک ابن حبانؒ کا تعلق ہے تو انہوں نے ان کے بارے میں زیادتی اور جرأت کی ہے۔(**میزان: جلد ۲: صفحہ ۲۵۳**)، اسی طرح سعید بن عبد الرحمن المدنیؒ کے ترجمہ میں کہا: 'أما ابن حبان فإنه خساف قصاب '۔(**میزان: جلد ۲: صفحہ ۱۴۸**)، نیز دیکھئے:(**میزان: جلد ۲: صفحہ ۶۲۹**)

بلکہ شیخ البانیؒ اور شیخ مقبلؒ کے شاگرد شیخ ابو الحسن السلیمانی غیر مقلد کہتے ہیں کہ (اگر) کسی راوی کو صرف بعض روایت میں وہم ہوا ہے، تو ابن حبانؒ اس پر شدید الفاظ سے جرح کرتے ہیں اور (مثلاً) کہتے ہیں کہ یہ راوی ثقات سے مختلف روایات بیان کرتا ہے۔(**اتحاف النبیل: جلد ۱: صفحہ ۶۹**)، شیخ معلمیؒ فرماتے ہیں کہ ' ولكن ابن حبان يشدد، وربما تعنت فيمن وجد في روايته ما استنكره ' لیکن ابن حبانؒ متشدد ہیں اور وہ اکثر اس راوی کے حق میں سختی کرتے ہیں، جن کی روایت میں کوئی چیز منکر پاتے ہیں، ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ '**ابن حبان كثيرا ما يتعنت في الذين يعرفهم، ولم يغمزه أحد**' ابن حبانؒ رواۃ کا تعارف کراتے ہوئے اکثر سختی کرتے ہیں، حالانکہ (جس راوی پر انہوں نے سخت جرح کی ہے) اس پر کسی نے کلام نہیں کیا ہوتا ہے۔(**آثار الشیخ المعلمی: جلد ۱۰: صفحہ ۷۹۱**)

الغرض ان تمام علماء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن حبانؒ جرح میں متشدد ہیں، اور بقولِ غیر مقلدین بعض روایات میں وہم یا منکر نقل کرنے سے بھی شدید جرح کر دیتے تھے۔

اور عبد الواحد بن نافعؒ کے معاملہ میں بھی ابن حبانؒ نے تشدد سے کام لیا ہے، اور اپنی جرح کہ **'عبد الواحد، اہل حجاز سے الٹی روایات بیان کرتے ہیں'** کی بنیاد رافع بن خدیجؓ کی روایت پر رکھی ہے، جیسا کہ مجروحین کے متن سے ظاہر ہے، لیکن یہ ان کا صاف تشدد ہے:

۱ – کیونکہ عبد الواحد بن نافعؒ اس روایت میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ انکے متابع میں عبد العزیز بن عقبہ بن سلمہؒ موجود ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، جن کو خود ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ **(کتاب الثقات: جلد ۷: صفحہ ۱۱۵)** لہذا اس روایت میں جب وہ منفرد ہی نہیں، تو اسی روایت کی وجہ سے ان پر ابن حبانؒ کی جرح صحیح نہیں ہے، اور یہ امام صاحبؒ کا تشدد ہے۔

۲ – اسی طرح امام ابن حبانؒ کی جرح کہ **'عبد الواحد، اہل حجاز سے الٹی روایت بیان کرتے ہیں'** یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ **صحیح ابن حبان: حدیث نمبر ۱۵۱۵** میں موجود ان کی عبارت سے یہ صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ابن حبانؒ کے نزدیک رافع بن خدیجؓ کی سیدھی اور صحیح روایت وہ ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ **'كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم العصر، فننحر جزورا، فتقسم عشر قسم، فنأكل لحما نضيجا قبل أن تغرب الشمس'** کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے تھے، پھر اونٹ کو ذبح کرتے، تو اس کے ۱۰ حصے کرتے، پھر غروب آفتاب سے پہلے ہم پکا ہوا گوشت (بھی) کھاتے تھے۔ **(صحیح بخاری: حدیث نمبر ۲۴۵۸، صحیح ابن حبان: حدیث ۱۵۱۵)**، امام بخاریؒ نے اس روایت کو تاخیر والی روایت کے مقابلہ میں **'أصح'** کہا ہے۔ **(التاریخ الکبیر للبخاری: جلد ۵: صفحہ ۸۹)**، لیکن ان حضرات کا صحیح بخاری کی روایت سے عصر کو جلد پڑھنے 'تعجیل العصر' پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

کیونکہ ان دونوں روایات میں تطبیق ممکن ہے اور وہ یہ کہ صحابہ کرامؓ اونٹ کو ذبح کرنے اور اس کے حصے بنانے میں ماہر تھے اور یہ کام وہ تیزی سے انجام دیتے تھے، اس لئے کہ اس زمانہ میں عرب میں اونٹ اور اس کے گوشت کا کثرت سے استعمال ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ امام عینیؒ (م ۸۵۵ھ) صحیح بخاری کی روایت کے تحت کہتے ہیں: **'قد يجوز أن يكون كانوا يفعلون ذلك بسرعة عمل، وقد أخرت العصر، فليس في هذا الحديث عندنا حجة على من يرى تأخير العصر'** کہ (یہ کہنا) درست ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عصر کو مؤخر کیا، (اس لئے کہ) وہ اونٹ کو ذبح کرنے، اس کے گوشت کو تقسیم کرنے کا کام جلدی سے کرتے تھے، لہذا ہمارے نزدیک اس حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جو عصر میں تاخیر کرنے والے کے خلاف حجت ہو۔ **(نخب الافکار: جلد ۳: صفحہ ۴۹۴)**

اور پھر امام عینیؒ کی بات کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ روایت میں رافع بن خدیجؓ نے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، **(كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم العصر)** اور حدیث کا جملہ **(فتقسم عشر قسم)** بھی صاف طور سے دلالت کرتا ہے کہ کم سے کم ۱۰ افراد نے مل کر اونٹ کو ذبح کیا تھا، تبھی تو دس حصے بنائیں گے۔

۴ – عبد الرحمن بن رافع بن خدیجؒ بھی ثقہ راوی ہیں۔

امام ابن حبانؒ، امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔**(کتاب الثقات لابن حبان: ج۵: ص۷۶، کتاب الثقات للقاسم: ج۶: ص۲۴۸)**

لہذا سوال یہ ہے کہ کتنی دیر میں دس افراد مل کر اونٹ کو ذبح کر کے، اس کے گوشت کو دس حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں؟

خاص طور سے جب کہ حدیث سے ثابت ہے کہ اونٹ کو ذبح کر کے حصہ بنانا صحابہؓ کیلئے بہت آسان اور کم وقت کا کام تھا۔ صحیح مسلم میں کہ عمرو بن العاصؓ نے مرض الوفات میں اپنے بیٹے اور ساتھوں کو نصیحت کی کہ:

ثم أقيموا حول قبري قدر ما تنحر جزور ويقسم لحمها

جب تم مجھ کو دفن کر دو،تو پھر میری قبر کے اطراف اتنی دیر ٹھہرو، جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اور اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے۔**(صحیح مسلم: ج۱: ص۱۱۲، ترتیب شیخ فوائد عبد الباقی)**

یہ روایت صاف طور سے دلالت کر رہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے لئے اونٹ کو ذبح کر کے اور اس کے گوشت کو تقسیم کرنا زیادہ سے زیادہ '۱۵' سے '۲۰' منٹ کا کام تھا۔

الغرض جب ان تمام نکتوں پر غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڑھ گھنٹہ میں '۱۰' افراد کا اونٹ کو ذبح کر کے، اس کے حصے بنا کر، گوشت کو پکا کر اور اس سے فارغ ہونا کوئی بعید بات نہیں، خاص طور سے جبکہ وہ تیزی سے کام کرنے والے ہوں۔

خلاصہ:

نہ عبد الواحد بن نافعؒ اس روایت میں منفرد ہیں اور نہ ہی انہوں نے اہل حجاز سے الٹی روایت بیان کی ہے اور جس سیدھی روایت کی وجہ سے ابن حبانؒ نے کہا: وہ اہل حجاز سے الٹی روایت بیان کرتے ہیں، وہ سیدھی روایت نہ خود صریح ہے اور نہ ہی '**تعجیل العصر**' پر دلالت کرتی ہے، جس کی تفصیل گزر چکی۔(یہی جواب امام بخاریؒ کے قول کا بھی ہے)

لہذا جب اصل روایت ہی صریح نہیں ہے، تو ابن حبانؒ کا عبد الواحد بن نافعؒ پر الٹی روایت بیان کرنے کی جرح بھی غیر صحیح ہے، لہذا جرح کے مقابلہ میں ان کی توثیق کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

۵ – رافع بن خدیجؓ مشہور صحابی ہیں۔ (تقریب)

لہذا یہ سند حسن ہے۔

دلیل نمبر ۲ :

امام ابو جعفر عقیلیؒ (م ۳۲۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا أحمد بن محمد بن عاصم قال: حدثنا محمد بن عباد المكي قال: حدثنا حاتم بن إسماعيل، عن يزيد بن عمرو الأسلمي، عن عبد العزيز بن عقبة بن سلمة بن الأكوع قال: صليت مع عبد الله بن رافع بن خديج العصر وهو بالضرية قال: فأهل البادية يؤخرون العصر فأخرها هو، قال: فقلت له: لقد أخرت هذه الصلاة، فقال بيديه وحركهما: مالي وللبدع مرتين أو ثلاثا هذه صلاة آبائي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

عبد العزیز بن عقبہؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن رافعؒ کے ساتھ عصر کی نماز ضربہ میں ادا کی، اور دیہات والے عصر کی نماز کو تاخیر سے ادا کرتے ہیں، تو عبد اللہ بن رافعؒ نے بھی عصر کی نماز میں تاخیر کی، تو میں نے کہا آپ نے یہ نماز کو مؤخر کیا ہے، تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے ۲ یا ۳ مرتبہ کہا کہ: مجھے بدعت سے کیا لینا دینا ہے، یہی میرے والد کی نماز تھی حضور ﷺ کے ساتھ۔ (**الضعفاء الكبير للعقيلي: ۳/۱۳**، واللفظ لہ، **التاریخ الکبیر للبخاری: ج۵: ص ۸۸**)

اس روایت کے رواۃ کا حال ملاحظہ فرمایئے:

۱ – امام عقیلیؒ (م ۳۲۲ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: جلد۷: صفحہ ۴۶۷، کتاب الثقات للقاسم: جلد ۱ : صفحہ ۴۴۶**)

۲ – حافظ احمد بن محمد بن عاصم الرازی بھی ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: جلد ۶: صفحہ ۴۹۹، کتاب الثقات للقاسم: جلد ۲: صفحہ ۴۴**)

۳ – محمد بن عباد المکیؒ (م ۲۳۴ھ) صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: جلد ۵: صفحہ ۹۲۰**)

۴ – حاتم بن اسماعیل المدنیؒ (م۱۸۷ھ) بھی صحیحین کے راوی ہیں، اور ثقہ، صدوق اور صحیح الکتاب ہیں۔ **(تقریب: رقم ۹۹۴، الکاشف)**

۵ – یزید بن عمرو الاسلمیؒ بھی ثقہ ہیں۔

امام ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ **(کتاب الثقات لابن حبان: جلد۷: صفحہ ۲۵)**، امام ابن عدیؒ نے باوجود ان کا علم ہونے کے ان کا ترجمہ الکامل میں ذکر نہیں کیا۔ **(الکامل: جلد۶: صفحہ ۵۰۵)**، لہذا باصول غیر مقلدین یہ راوی، امام ابن عدیؒ کے نزدیک ثقہ ہے۔ **(انوار البدر: ۱۸۸)**

۶ – عبد العزیز بن عقبہ بن سلمہ الاسلمیؒ کو امام ابن حبانؒ، امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ **(کتاب الثقات: لابن حبانؒ: جلد۷: صفحہ ۱۱۵، کتاب الثقات للقاسم: جلد۶: صفحہ ۳۸۰)**

لہذا آپؒ بھی ثقہ ہیں۔[2]

---

[2] عبد العزیز بن عقبہ بن سلمہ الاسلمیؒ پر امام بخاریؒ اور امام ابو حاتمؒ کا قول '**لا يصح حديثه**' جرح غیر مفسر ہے، اور تعدیل، جرح غیر مفسر پر مقدم ہوتی ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔

پھر امام ابو حاتمؒ اور امام بخاریؒ خود غیر مقلدین کے نزدیک متشدد بھی ہیں۔ **(دین الحق: ج۱: ص۳۶۵، نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں: ص۳۹-۴۰)** اور متشدد کی جرح غیر مقلدین کے نزدیک غیر مقبول ہے۔ **(دین الحق: ج۱: ص۳۶۶)**

نیز، ہماری تحقیق میں امام بخاریؒ نے ۲ وجہوں سے عبد العزیز بن عقبہ بن سلمہ الاسلمیؒ کے بارے میں کہا کہ '**لا يصح حديثه**' کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

اول امام بخاریؒ کے نزدیک یزید بن عمرو الاسلمی کا سماع عبد العزیز بن عقبہ سے مشہور نہیں ہے۔ **(التاریخ الاوسط: جلد۲: صفحہ ۶۵)** اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو منقطع کہا ہے۔ **(التاریخ الکبیر: جلد۶: صفحہ ۲۳)**، لیکن اس روایت کو منقطع کہنا صحیح نہیں ہے، جس کا جواب ان شاء اللہ آگے آرہا ہے۔

دوم امام بخاریؒ نے رافع بن خدیجؓ کی روایت '**كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم العصر، فننحر جزورا، فتقسم عشر قسم، فنأكل لحما نضيجا قبل أن تغرب الشمس**' کو '**تعجيل العصر**' پر محمول کر کے عبد العزیز بن عقبہ بن

۷ – عبد اللہ بن رافع بن خدیجؒ بھی ثقہ راوی ہیں، امام ابن حبانؒ، امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے ثقات میں شمار کیا ہے، اور ابن سعدؒ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ **(کتاب الثقات للقاسم: جلد ۶: صفحہ ۱۴)**

۸ – رافع بن خدیجؓ مشہور صحابی رسول ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس روایت کے تمام رجال ثقہ ہیں اور اس کی سند حسن ہے۔[3]

وضاحت:

سلمہ الاسلمیؒ کی روایت کو غیر صحیح کہا ہے، کیونکہ امام بخاریؒ۔ **التاریخ الکبیر: جلد ۵: صفحہ ۸۹**، پر '**تأخیر العصر**' کی دونوں حدیثوں کو ذکر کر کے، رافع بن خدیجؓ کی روایت '**کنا نصلي مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم العصر، فننحر جزورا، فتقسم عشر قسم، فنأکل لحما نضیجا قبل أن تغرب الشمس**' کو '**اصح**' کہا، لیکن اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ اونٹ والی رافع بن خدیجؓ کی روایت عصر کی نماز جلدی پڑھنے پر دلالت نہیں کرتی، لہذا ان دونوں وجوہات کی وجہ سے امام بخاریؒ کی جرح غیر صحیح ہے۔ واللہ اعلم

[3] **اعتراض:**

امام بخاریؒ نے کہا کہ: یزید بن عمرو الاسلمی کا سماع عبد العزیز بن عقبہ سے مشہور نہیں ہے۔ **(التاریخ الاوسط: جلد ۲: صفحہ ۶۵)** اور اس حدیث کو منقطع کہا ہے۔ **(التاریخ الکبیر: جلد ۶: صفحہ ۲۳)**

الجواب:

سند کے اتصال کی شرط:

امام بخاریؒ کے نزدیک استاد اور شاگرد کے درمیان معاصرت کے ساتھ ساتھ ثبوت سماع بھی شرط ہے، لیکن امام مسلمؒ اور دوسروں کے نزدیک استاد اور شاگرد کے درمیان صرف معاصرت بھی کافی ہے، سند کے متصل ہونے کیلئے ثبوت سماع شرط نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں امام بخاریؒ کے اس اصول کا رد کیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے **مقدمہ صحیح مسلم، موقف الامامین البخاری ومسلم من اشتراط اللقیا والسماع: ص ۵۱۔**

لہذا راجح اصول کے مطابق، یہ روایت متصل اور حسن درجہ کی ہے۔ واللہ اعلم

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عصر کی نماز میں تاخیر فرماتے تھے اور نیز آنے والی روایت سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ ۲ مثل تک یہ تاخیر ہوتی تھی، یعنی آپ ﷺ ۲ مثل کے وقت پر عصر کی نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

دلیل نمبر ۳:

امام ابن ابی خیثمہؒ (م ۲۷۹؁ھ) فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنا مُوسَى بن إسماعيل، قال: حدثنا حَمَّاد بن سَلَمَة، قال: أخبرنا هِشَامُ بْنُ عُرْوَة، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ المُغِيْرَة بْنَ شُعْبَة كَانَ يُؤَخِّرُ الصَّلاة، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ: أَمَا سمعتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "قَالَ لِي جِبْرِيلُ صلِّ صَلاةَ كَذَا فِي سَاعَةِ كَذَا حَتَّى عدَّ الصَّلَوَاتِ"؟ فَقَالَ: بَلَى! قَالَ: فَأَشْهَدُ أَنَّا كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْر مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ والشَّمس بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثم أتى بني عمرو بن عوف وإنها لمرتفعة وهي على رأس ثلثي فرسخ من المدينة۔

حضرت عروہؒ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہؓ عصر کی نماز کو تاخیر سے پڑھا کرتے تھے تو ان سے ایک انصاری نے کہا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے جبریل نے کہا: فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھئے، یہاں تک کہ جبریل نے تمام نمازوں کے اوقات بتائے۔

تو حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا کہ کیوں نہیں، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب سورج سفید اور صاف ہوتا تھا، پھر میں بنو عمرو بن عوف کے پاس آتا، تو سورج بلند ہی ہوتا، اور بنو عمرو بن عوف مدینہ سے دو تہائی فرسخ دور ہے۔ **(تاریخ ابن ابی خیثمہ: جلد۱: صفحہ ۱۷۹، حدیث نمبر ۴۲۷**، واسنادہ حسن)

اس سند کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

۱ – امام ابو بکر بن ابی خیثمہؒ (م ۲۷۹؁ھ) مشہور ثقہ، امام اور صاحبِ تاریخ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: جلد۶: صفحہ ۴۸۱)**

۲ – ابو سلمہ موسیٰ بن اسماعیلؒ (م ۲۲۳؁ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، ثبت ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۹۴۳)**

۳ – امام حماد بن سلمہؒ (م۱۶۷؁ھ) صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی اور ثقہ عابد ہیں۔ **(تقریب: رقم ۱۴۹۹)** [4]

۴ – ہشام بن عروہؒ (م۱۴۶؁ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۷۳۰۲)**

۵ – امام عروہؒ (م۹۴؁ھ) صحیحین کے راوی، اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۴۵۶۱)**

۶ – مغیرہ بن شعبہؓ مشہور صحابی رسول ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام روات ثقہ اور یہ سند حسن ہے۔

وضاحت:

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ اور حضور ﷺ ۲ مثل کے بعد عصر کی نماز ادا فرماتے تھے، کیونکہ اگر مغیرہؓ ۲ مثل سے پہلے عصر کی نماز ادا کی ہوتی تو انصاری صحابیؓ کا انہیں جبریل علیہ السلام کی روایت یاد دلانا بے معنیٰ ہوتا، لیکن جب انصاری صحابی نے انہیں جبریل علیہ السلام کی روایت یاد دلائی، تو ان کا عمل اس

---

[4] غیر مقلدین کے نزدیک حماد بن سلمہؒ کا مختلط ہونا ثابت نہیں ہے، چنانچہ کفایت اللہ سنابلی صاحب لکھتے ہیں کہ حماد بن سلمہ پر اختلاط کا الزام مردود ہے۔ **(انوار البدر: صفحہ ۲۲۶)**

نیز، زبیر علی زئی صاحب نے یہ اصول بتایا ہے کہ محدثین کی تصحیح سے راوی کا اپنے مختلط شیخ سے قبل الاختلاط سماع ثابت ہوتا ہے۔ **(دین میں تقلید کا مسئلہ: صفحہ ۳۶)** '**موسی بن إسماعيل حدثنا حماد بن سلمة**' کی سند کو امام بخاریؒ، امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ، امام ضیاء الدین مقدسیؒ، امام ابو عوانہؒ، امام ابونعیمؒ اور شیخ البانیؒ نے صحیح اور حسن کہا ہے۔ **(جزء رفع الیدین:** ترجمہ زبیر علی زئی: **صفحہ، المستدرک للحاکم مع التلخیص للذہبی: جلد ۲: صفحہ ۱۲۳، حدیث ۲۵۳۱، الحدیث المختارۃ: جلد ۲: صفحہ ۲۵۳، صحیح ابی عوانہ: حدیث ۶۷۸۳، المستدرک علی صحیح مسلم لابی نعیم: جلد ۱: صفحہ ۱۴۷، سنن ابی داؤد، بتحقیق البانی: حدیث نمبر ۳۷۲)**، زبیر علی زئی صاحب نے '**موسی بن إسماعيل حدثنا حماد بن سلمة**' کی حدیث کے بارے میں کہا کہ: حمادؒ نے یہ حدیث اختلاط سے پہلے بیان کی ہے۔ **(جزء رفع الیدین**، ترجمہ زبیر علی زئی: **صفحہ ۴۷)**، یعنی علی زئی صاحب کے نزدیک موسیٰ بن اسماعیل نے حماد بن سلمہؒ سے اختلاط سے پہلے روایت کیا ہے، لہذا غیر مقلدین کے اپنے ہی اصول سے موسیٰ بن اسماعیلؒ کا سماع حماد بن سلمہؒ سے ان کے اختلاط سے پہلے ثابت ہوتا ہے، لہذا اس روایت میں بھی حماد بن سلمہؒ کے مختلط ہونے کا اعتراض، خود اہل حدیثوں کے اپنے ہی اصول سے مردود ہے۔

بات کی دلیل ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے عصر کی نماز، حدیثِ جبریل میں بتائے گئے وقت کے مطابق نہیں پڑھی، یعنی ۲ مثل کے بعد پڑھی تھی۔

اور پھر مغیر بن شعبہؓ نے باوجود حدیثِ جبریل کا علم ہونے کے، اس کے مقابلہ میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز ایسی حالت میں پڑھتے تھے جب کہ سورج صاف اور سفید ہوتا تھا۔

ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ عصر کی نماز ۲ مثل کے بعد پڑھتے تھے، جب تک کہ سورج صاف اور سفید ہوتا تھا۔

ائمہ فقہاء کی عبارت:

ائمہ فقہاء نے بھی '**الشمس بیضاء نقیة**' والی روایت کو عصر کی تاخیر پر یعنی ۲ مثل کے بعد کا وقت مراد لیا ہے، چنانچہ:

۱- ثقہ، حافظ، فقیہ امام محمدؒ (م ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ:

تأخير العصر أفضل من تعجيلها، مادامت الشمس بيضاء نقية لم تخالطها صفرة[5] وهو قول أبي حنيفة رحمه الله، والعامة من فقهائنا رحمهم الله تعالى۔

عصر کی نماز، جلدی پڑھنے کی بنسبت تاخیر سے پڑھنا افضل ہے، جب تک کہ سورج صاف اور سفید ہو اور اس میں زردی داخل نہ ہوئی ہو، اور یہی امام ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔(**مؤطا امام محمد: حدیث نمبر ۱۰۰۸**)

ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ:

---

[5] نمازِ عصر کے وقت سے متعلق، امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا قول بیان کرتے ہوئے جو الفاظ تحریر کئے ہیں، یہی الفاظ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو خط میں تحریر فرمائے تھے: **أن عمر بن الخطاب، كتب إلى أبي موسى الأشعري: أن صل۔۔۔۔ والعصر والشمس بيضاء نقية قبل أن تدخلها صفرة۔(مؤطا مالک: حدیث ۱۰)** اس کی سند "مالك، عن عمه أبي سهيل بن مالك، عن أبيه" صحیحین کی شرط پر ہے۔

تأخير العصر أفضل عندنا من تعجيلها إذا صليتها والشمس بيضاء نقية لم تدخلها صفرة، وبذلك جاءت عامة الآثار، وهو قول أبي حنيفة، وقد قال بعض الفقهاء: إنما سميت العصر لأنها تعصر وتؤخر۔

ہمارے نزدیک عصر کی نماز جلدی پڑھنے کی بنسبت تاخیر سے پڑھنا افضل ہے، جبکہ ایسے وقت میں پڑھی جائے کہ سورج صاف اور سفید ہو اور اس میں زردی داخل نہ ہوئی ہو، اکثر حدیثوں میں یہی آیا ہے، اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور بعض فقہاء نے کہا کہ: عصر کو عصر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے دن کے اخیری وقت میں پڑھا جاتا ہے اور تاخیر کی جاتی ہے۔ **(مؤطا امام محمد: حدیث نمبر ۴)**

۲ – صدوق، فقیہ شمس الائمہ، امام سرخسیؒ (م **۴۸۳ھ**) فرماتے ہیں کہ:

(ولنا) حديث ابن مسعود - رضي الله تعالى عنه - قال كان النبي - صلى الله عليه وسلم - يصلي العصر والشمس بيضاء نقية وهذا منه بيان تأخير للعصر۔

اور ہماری دلیل ابن مسعودؓ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے، جب سورج سفید اور صاف ہوتا، اور اس میں آپ نے عصر کی تاخیر بیان فرمائی ہے۔ **(المبسوط: جلد ۱: صفحہ ۱۴۷)**

۳ – ثقہ، مجتہد امام ابو بکر جصاص الرازیؒ (م **۳۷۰ھ**) نے بھی **'الشمس بیضاء نقیة'** کی ایک روایت سے تاخیر العصر پر استدلال کیا ہے۔ **(شرح مختصر الطحاوی للجصاص: جلد ۱: صفحہ ۵۱۴)**

ثابت ہوا کہ احادیث میں **'الشمس بیضاء نقیة'** سے مراد ۲ مثل کا وقت ہی ہے، نیز ان روایات میں 'تاخیر العصر' کی بھی صراحت ہے، جس سے اس کا ۲ مثل کا وقت ہونا اور بھی واضح ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

دلیل نمبر ۴ :

امام ابو داؤدؒ (م **۲۷۵ھ**) فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْيَمَامِيُّ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً۔

حضرت علی بن شیبانؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، تو آپ ﷺ عصر کی نماز مؤخر کر کے پڑھتے تھے، جب تک کہ سورج صاف اور سفید ہو تا۔ **(سنن ابی داؤد: حدیث نمبر ۴۰۸)**

اعتراض:

اس روایت میں یزید بن عبد الرحمنؒ اور محمد بن یزید الیمامیؒ مجہول ہیں۔

الجواب:

اس روایت پر امام ابو داؤدؒ (م ۲۷۵؁ھ) اور امام منذریؒ (م ۶۵۰؁ھ) نے سکوت اختیار کیا ہے۔ **(سنن ابی داؤد : حدیث نمبر ۴۰۸، مختصر سنن ابی داؤد: جلد ۱: صفحہ ۱۷۹)**

امام ماردینیؒ (م ۷۵۰؁ھ) فرماتے ہیں کہ "**اخرجه أبو داود وسكت عنه**" امام ابو داؤدؒ نے اسے روایت کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے۔ **(الجوہر النقی: ج ۱: ص ۴۴۱)**

اور غیر مقلد عالم قاضی شوکانیؒ کہتے ہیں کہ "**وما سكتا عليه جميعاً فلا شك أنه صالح للاحتجاج**" جس روایت پر وہ دونوں (یعنی امام ابو داؤدؒ اور امام منذریؒ) سکوت فرمائیں، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ روایت احتجاج کے لائق ہے۔ **(نیل الاوطار: جلد ۱: صفحہ ۲۵، ۱۱۰)**

معلوم ہوا کہ خود غیر مقلدین کے اصول کی روشنی میں یہ روایت امام ابو داؤدؒ اور امام منذریؒ کے نزدیک صحیح ہے۔

خود امام ابو داؤدؒ نے بھی فرمایا ہے کہ **"مالم أذكر فيه شيئا فهو صالح"** جس حدیث پر میں کوئی کلام نہ کروں وہ (احتجاج واستدلال) کے لائق ہے۔ **(رسالة إلى أهل مكة: صفحہ ۲۹)** [6]

اسی طرح، امام ابو علی بن السکنؒ **(م ۳۵۳ھ)** امام ابو عبد اللہ ابن مندہؒ **(م ۳۹۵ھ)**، امام حاکمؒ **(م ۴۰۵ھ)** اور امام ابو طاہر سِلَفی ؒ **(م ۵۷۱ھ)** وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ **(مقدمہ ابن الصلاح: صفحہ ۱۱۱، النکت علی ابن الصلاح لابن حجر: جلد ۱: صفحہ ۴۸۲)** [7]

اور محدثین کا کسی روایت کو صحیح قرار دینا، غیر مقلدین کے نزدیک اس روایت کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔ **(مجلہ الاجماع: ش ۲: ص ۱۷)**

---

[6] امام ابن خزیمہؒ کی شرط کا دفاع کرتے ہوئے، زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ کی وہ تمام روایات، جنہیں امام ابن خزیمہؒ نے روایت کر کے جرح نہیں کی، امام ابن خزیمہؒ کے نزدیک صحیح ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس تصحیح کے ساتھ ہر عالم متفق ہو۔ **(فتاویٰ علمیہ: جلد ۲: صفحہ ۳۰۴)**

لہٰذا خود غیر مقلدین کے اصول کی روشنی میں عرض ہے کہ:

یہی مطلب امام ابو داؤدؒ کے سکوت کا بھی ہے کہ سنن ابی داؤد کی وہ تمام روایات، جنہیں امام ابو داؤدؒ نے روایت کر کے جرح نہیں کی، امام ابو داؤدؒ کے نزدیک صحیح اور صالح ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس تصحیح کے ساتھ ہر عالم متفق ہو، امید ہے کہ غیر مقلدین امام ابو داؤدؒ کے سکوت پر اعتراض کرنے سے باز رہیں گے۔

[7] امام ابو علی ابن السکنؒ **(م ۳۵۳ھ)**، امام ابو عبد اللہ بن مندہؒ **(م ۳۹۵ھ)**، امام حاکمؒ **(م ۴۰۵ھ)** نے سنن ابی داؤد پر صحت کا حکم لگایا ہے، جیسا کہ امام ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے، اسی طرح امام ابو طاہر سلفیؒ نے کہا کہ: مشرق و مغرب کے علماء (جن میں وہ خود بھی شامل ہیں) کا کتبِ خمسہ (جن میں سنن ابی داؤد بھی شامل ہے) کی صحت پر اتفاق ہے۔

ان عبارتوں کا مطلب، اہل حدیثوں کے اپنے اصول کی روشنی میں یہی ہے کہ یہ تصحیحات مذکورہ محدثین کے نزدیک درست ہیں، باقی ہر عالم کا اس سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس لحاظ سے اس روایت کے سارے راوی، امام ابو داؤدؒ (م۲۷۵؁ھ) امام ابو علی ابن السکنؒ (م۳۵۳؁ھ) امام ابو عبد اللہ بن مندہؒ (م۳۹۵؁ھ) امام حاکمؒ (م۴۰۵؁ھ) امام ابو طاہر سلفیؒ (م۵۷۱؁ھ) امام منذریؒ (م۶۵۰؁ھ) کے نزدیک ثقہ ہیں۔

لہذا اس روایت کے راویوں پر مجہول ہونے کی جرح باطل و مردود ہے۔

وضاحت:

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد، امام بدر الدین عینیؒ (م۸۵۵؁ھ) فرماتے ہیں کہ: **"وهذا الحديث يدل على أنه - عليه السلام - كان يُصلي العَصر عند صيرورة ظل كل شيء مثليه، وهو حجة لأبي حنيفة على مخالفيه"** یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ عصر کی نماز اس وقت ادا فرماتے تھے، جب ہر چیز کا سایہ اسکے دو مثل ہو جاتا تھا، اور یہ حدیث امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے، ان کے مخالفین پر۔ **(شرح سنن ابی داؤد للعینی: جلد ۲: صفحہ ۲۶۸)**

دلیل نمبر ۵:

امام ترمذیؒ (م۲۷۹؁ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثنا علي بن حجر قال: حدثنا إسماعيل ابن علية عن أيوب عن ابن أبي مليكة عن أم سلمة - رضي الله عنها - قالت: "كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أشد تعجيلا للظهر منكم وأنتم أشد تعجيلا للعصر منه"

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز، بنسبت تمہارے، جلدی ادا فرماتے تھے، اور آپ لوگ عصر کی نماز، بنسبت رسول اللہ ﷺ کے، جلدی ادا کرتے ہو۔ **(سنن ترمذی: جلد ۱: صفحہ ۳۰۲، حدیث ۱۶۱)**

اس حدیث کے تمام روات: علی بن حُجر، اسماعیل ابن علیہ، اَیوب سختیانی، اور عبد اللہ بن ابی ملیکہ، مشہور ثقات، اور صحیحین کے رجال ہیں۔

لہذا یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔(**صحیح وضعیف سنن ترمذی: حدیث ۱۶۱، مشکاۃ، تحقیق ثانی: ۶۱۹۵**)

اس حدیث کی وضاحت:

اس حدیث پر امام ترمذیؒ (**م۲۷۹ھ**) نے "تاخیر العصر" کا عنوان لگایا ہے، معلوم ہوا امام ترمذیؒ کے نزدیک ، یہ حدیث تاخیر عصر پر دلالت کرتی ہے۔امام مغلطائیؒ (**م۷۶۲ھ**) نے اس حدیث کو تاخیر عصر کے مستدلات میں ذکر کیا ہے۔(**شرح ابن ماجہ لمغلطائی: ص ۱۰۰۱**) یہی بات ملا علی قاریؒ نے بھی تحریر فرمائی ہے کہ "**یدل الحدیث علی استحباب تأخیر العصر**" یہ حدیث تاخیر عصر کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔(**مرقاۃ المفاتیح: جلد ۲: صفحہ ۵۳۸، حدیث ۶۱۹**)

اس حدیث کی شرح میں مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

حضرت ام سلمہؓ اپنے زمانہ کے لوگوں پر نقد کرتے ہوئے فرماتی ہیں: آپ لوگ ظہر کی نماز زیادہ تاخیر کرکے پڑھتے ہو جبکہ رسول اللہ ﷺ اتنی تاخیر نہیں کیا کرتے تھے اور آپ لوگ عصر کی نماز جلدی پڑھتے ہو جبکہ حضور اکرم ﷺ اتنی جلدی عصر نہیں پڑھتے تھے، یعنی وہ فرمارہی ہیں کہ لوگو! اپنے دونوں عمل بدلو اور ظہر کو تھوڑا پہلے اور عصر کو کچھ تاخیر سے پڑھو، ظاہر ہے وہ لوگ وقت داخل ہونے کے بعد ہی عصر پڑھتے ہوں گے پھر بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تنبیہ کرتی ہیں، معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ عصر میں کچھ تاخیر کیا کرتے تھے اور یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔(**تحفۃ الألمعی: ج۱: ص ۴۶۲**)

دلیل نمبر ۶ :

امام ابن ابی شیبہؒ (**م۲۳۵ھ**) فرماتے ہیں کہ:

وكيع عن عمر بن منبه عن سوار بن شبيب عن أبي هريرة أنه كان يؤخر العصر حتى أقول: قد اصفرت الشمس۔

حضرت ابو ہریرہؓ عصر کی نماز مؤخر کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ میں کہتا کہ سورج زرد ہو گیا۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۳۲۸)**

اس حدیث کی سند کے روات کی تعریف یہ ہے:

۱ - امام ابن ابی شیبہؒ **(م ۲۳۵ھ)** **شیخین** کے استاذ اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب: ۳۵۷۵)**

۲- امام وکیعؒ **(م ۱۹۷ھ)** بھی مشہور ثقہ، امام ہیں۔ **(تقریب: ۷۴۱۴)**

۳- عمر بن منبہ السعدی: (ان کو عمر بن مزید یا یزید بن منبہ بھی کہا جاتا ہے،) بھی ثقہ ہیں۔ **(الثقات للقاسم: ۸۳۲۲)**

۴- سوار بن شبیب السعدی بھی ثقہ راوی ہیں۔ **(الثقات للقاسم: ۴۹۴۷)**

لہذا یہ سند بالکل صحیح ہے۔

دلیل نمبر ۷ :

امام محمدؒ **(م ۱۸۹ھ)** فرماتے ہیں کہ:

أخبرنا مالك بن أنس عن يزيد بن زياد مولى بني هاشم عن عبد الله بن رافع مولى أم سلمة رضي الله عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم، عن أبي هريرة، أنه سأله عن وقت الصلاة فقال أبو هريرة: «أنا أخبرك، صل الظهر إذا كان ظلك مثلك، والعصر إذا كان ظلك مثليك، والمغرب إذا غربت الشمس والعشاء ما بينك وبين ثلث الليل فإن نمت إلى نصف الليل فلا نامت عيناك وصل الصبح بغلس۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ تو عصر کی نماز اس وقت ادا کر جب تیرا سایہ ۲ مثل ہو جائے۔ **(موطا امام محمد: ح ۱، موطا امام مالک: حدیث نمبر ۹)**

سند کے روات کی تحقیق:

۱ - امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) مشہور فقیہ ربانی، ثقہ، حافظ ہیں۔ **(تلامذہ امام ابو حنیفہ کا محدثانہ مقام، از** مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی: **ص ۳۲۳)**

۲- امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) صحیحین کے راوی اور امام دار الہجرۃ ہیں۔

۳ - یزید بن زیاد المدنی ترمذی کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۷۷۱۵)**

۴ - اسی طرح عبد اللہ بن رافع مولی ام سلمہ صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۳۳۰۵)**

۵- ابو ہریرۃؓ مشہور صحابی رسول ہیں۔ **(تقریب)**

معلوم ہوا کہ اس کی سند صحیح ہے۔[8]

اہل حدیثوں کا ایک اصول:

دلیل نمبر ۸ :

امام ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ

حدثنا وكيع، عن علي بن صالح، وإسرائيل، عن أبي إسحاق، عن عبد الرحمن بن يزيد، عن عبد الله أنه كان يؤخر العصر۔

عبد اللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ وہ عصر کی نماز تاخیر سے ادا کیا کرتے تھے۔ **(مصنف ابن ابی شیبۃ: ۳۳۱۰)**

سند کے روات کی تعریف یہ ہے:

---

[8] **نوٹ:** غلام مصطفی ظہیر صاحب نے علامہ عبد الحی لکھنویؒ کے حوالہ سے جو تاویل نقل کی ہے **(السنۃ: ش ۲۰: ص ۱۱)**، وہ باطل اور مردود ہے۔ اس لئے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں صراحت ہیں کہ حضرت ابو ہریرۃؓ عصر کی نماز مؤخر کیا کرتے تھے۔ اور خود ظہیر صاحب کے مسلک کا اصول ہے کہ حدیث خود حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔ **(نور العینین: ص ۱۲۰)** لہذا حضرت ابو ہریرہ کے نزدیک یہی ہے کہ عصر کی نماز دو مثل پر پڑھنی چاہئے۔

۱ - امام ابن ابی شیبہؒ (م۲۳۵ھ) **شیخین** کے استاذ اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب: رقم ۳۵۷۵)**

۲- امام و کیعؒ (م۱۹۷ھ) بھی مشہور ثقہ، امام ہیں۔ **(تقریب: رقم ۷۴۱۷)**

۳- علی بن صالحؒ (م۱۵۱ھ) صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۴۷۴۸)** ان کے متابع اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاقؒ (م۱۶۰ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ، حجت ہیں۔ **(تقریب: ۴۰۱)**

۴- امام ابواسحاق السبیعیؒ (م۱۲۹ھ) **بھی** صحیحین کے راوی ہے ثقہ، مکثر، عابد ہیں۔- **(تقریب: ۵۰۶۵)**

نوٹ:

ابو اسحاق سبیعیؒ (م۱۲۹ھ) کا آخری عمر میں حافظہ متغیر ہو گیا تھا، لیکن اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاقؒ (م۱۶۰ھ) نے ان سے اختلاط سے پہلے روایات لی تھی۔ **(بخاری: حدیث نمبر ۸۱۱، ۵۲۰، ۳۹۹، مسلم: ج۴: ص ۲۳۱۰، ۱۸۵۲، وغیرہ، مقالات از زبیر علی زئی: ج۴: ص۳۶۶)** لہذا اسرائیل بن یونسؒ کا اپنے دادا ابو اسحٰق سبیعیؒ سے سماع بالکل صحیح ہے۔

نیز یہ حدیث **"ثوری عن أبی إسحاق عن عبد الرحمن بن یزید"** کی سند سے بھی مروی ہے۔ **(مصنف عبد الرزاق: ۲۰۸۳)**

۵- عبد الرحمن بن یزیدؒ (م۸۳ھ) بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۴۰۴۳)**

لہذا یہ سند بھی بالکل صحیح ہے، اور مسند احمد کے محققین، شیخ شعیب ارناؤط اور ان کے ساتھیوں نے اس سند کو صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔ **(مسند احمد: ۲۳۴۰۸)**[9]

---

[9] **اعتراض:**

غلام مصطفٰی ظہیر صاحب کہتے ہیں کہ ابو اسحاق السبیعیؒ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ **(مجلہ السنہ: ش۲۰: ص۱۲)**

الجواب:

دلیل نمبر ۹ :

امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م۴۰۵ھ) نے کہا کہ:

حدثنا أبو بكر محمد بن أحمد بن بالويه الجلاب، ثنا محمد بن شاذان الجوهري، ثنا المعلى بن منصور، ثنا عبد الرحيم بن سليمان، ثنا أبو إسحاق الشيباني، عن العباس بن ذريح،عن زياد بن عبد الله النخعي , قال: كنا جلوسا مع علي رضي الله عنه في المسجد الأعظم , والكوفة يومئذ أخصاص , فجاءه المؤذن فقال: الصلاة يا أمير المؤمنين للعصر , فقال: «اجلس» , فجلس ثم عاد فقال ذلك , فقال علي رضي الله عنه: «هذا الكلب يعلمنا بالسنة» , فقام علي رضي الله عنه فصلى بنا العصر , ثم انصرفنا فرجعنا إلى المكان الذي كنا فيه جلوسا فجثونا للركب لنزول الشمس للمغيب نترآها۔

زیاد بن عبد اللہ نخعیؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت علیؓ کے ساتھ بڑی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت کوفہ کی بستی کچے گھروں پر مشتمل تھی، مؤذن نے آکر عصر کی نماز کے بارے میں آپ سے کہا: **امیر المؤمنین** نماز!!! تو آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا، (کچھ دیر بعد) دوبارہ آکر وہی بات کہی، تو حضرت علیؓ نے فرمایا: یہ کتّا ہم کو سنت سکھا رہا ہے، پھر آپؓ کھڑے ہوئے اور ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد ہم اسی جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے، پھر ہم دوزانو بیٹھ کر غروب کیلئے سورج کو نیچے اترتے دیکھنے لگے۔ **(المستدرک علی الصحیحین: جلد۱: صفحہ ۳۰۵، رقم الحدیث ۶۹۰، الطبقات الکبریٰ لابن سعد: جلد۶: صفحہ ۲۵۴، رقم ۲۲۹۰)**

امیر المومنین فی الحدیث امام ابو الحسن الدار قطنیؒ (م۳۸۵ھ) نے کہا: "**أبو إسحاق ربما دلس**" ابو اسحاق السبیعیؒ کبھی کبھار تدلیس کرتے ہیں۔ **(الإلزامات والتتبع: ص۳۶۳)**، امام ذہبیؒ (م۷۴۸ھ) بھی فرماتے ہیں کہ "**كان أبو إسحاق ربما دلس**" ابو اسحاق سبیعیؒ کبھی کبھار تدلیس کرتے تھے۔ امام البیہقیؒ (م۴۵۸ھ) بھی کہتے ہیں کہ "**أبا إسحاق ربما دلس**" ابو اسحاق کبھی کبھار تدلیس کرتے ہے۔ امام مغلطائیؒ (م۷۶۲ھ) نے بھی یہی بات نقل کی ہے۔ **(شرح ابن ماجہ: ص ۷۳۴، انوار الطریق: ص۸)**

یعنی امام ابو اسحاق سبیعیؒ (م۱۲۹ھ) قلیل التدلیس ہیں، اور قلیل التدلیس کی "معنعن حدیث" خود غیر مقلدین کے نزدیک قابل قبول ہے۔ **(مجلہ الاجماع: ش۳: ص ۲۴۲، نیز دیکھئے ص ۲۴۶)** لہذا اغلام صاحب کا اعتراض باطل اور مردود ہے۔

اس حدیث کو امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور امام مغلطائیؒ نے صحیح کہا ہے۔ **(المستدرک علی الصحیحین مع تلخیص للذہبی: جلد ا: صفحہ ۳۰۵، رقم ۶۹۰، شرح ابن ماجہ للمغلطائی: ص ۱۰۰۱)**

اس سند کے روات کی تحقیق یہ ہے :

(۱) حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) مشہور ثقہ، امام، حافظ الحدیث اور شیخ المحدثین ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم : ج۸: ص ۳۹۳، سیر اعلام النبلاء)**

(۲) **أبو بكر محمد بن أحمد بن بالويه الجلاب**ؒ (م ۳۴۰ھ) ثقہ مکثر ہیں۔ **(الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم: جلد ۲: صفحہ ۸۱۶، رقم الترجمہ ۷۱۲)**

(۳) **محمد بن شاذان الجوهري** بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۹۵۰)**

(۴) **المعلى بن منصور**: ثقہ، سني، فقیہ ہیں۔ **(تقریب: ۶۸۶۰)**

(۵) عبد الرحیم بن سلیمانؒ کی حدیث کو حاکمؒ، ذہبیؒ اور مغلطائیؒ نے صحیح قرار دیا ہے، جس کے حوالے گزر چکے۔

لہذا ان ائمہ کے نزدیک عبد الرحیم بن سلیمانؒ ثقہ ہیں۔

نیز الطبقات الکبری لابن سعد میں عبد الرحمن بن سلیمان کے متابع، ابو اسامۃ حماد بن اسامہؒ (م ۲۰۱ھ) [ثقہ] موجود ہیں۔ **(الطبقات الکبریٰ لابن سعد: جلد ۶: صفحہ ۲۵۴، رقم ۲۲۹۰)** اور ابو اسامہؒ اہل کوفہ کی خبروں کے زیادہ جاننے والے تھے۔ (تہذیب الکمال)

(۵) **أبو إسحاق الشيباني** (سلیمان بن فیروز) ثقہ ہیں۔ **(موسوعة أقوال الدارقطنی : ج ۱: ص ۱۱۴، رقم ۴۶۷)**

(۶) عباس بن ذریحؒ بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۳۱۶۸)**

(۷) زیاد بن عبد اللہ نخعی کو بعض لوگوں نے زیاد بن عبد الرحمن نخعی کہا ہے، اور وہ صدوق اور ثقہ راوی ہیں۔

امام ابن حبانؒ اور امام قاسم بن قطلوبغاؒ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔

امام دار قطنیؒ نے اعتراض کیا کہ وہ مجہول العین ہیں، کیونکہ ان سے صرف عباس بن ذریحؒ نے روایت کیا ہے، اسکا جواب قاسم بن قطلوبغاؒ نے دیا ہے کہ "وقد جزم أبو حاتم أنه عياش العامري،وابن ذريح عباس بالموحدة" ابو حاتمؒ نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ ان سے عیاش عامریؒ نے روایت لی ہے۔ **(لسان المیزان: جلد ۳: صفحہ ۵۳۴، رقم ۳۲۵۹، الثقات للقاسم: جلد ۴: صفحہ ۳۵۲، رقم ۴۰۸۵)**

لہذا مجہول العین کی جرح درست نہیں، نیز ان کی حدیث کو امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور حافظ مغلطائی صحیح قرار دیا ہے، جیسا کے حوالے گزر چکے، اور غیر مقلدین کا اصول ہے کہ کسی حدیث کی تصحیح اس کے تمام روات کی توثیق ہوتی ہے۔ دیکھئے **(ص ۱۷)**

معلوم ہوا کہ زیاد بن عبد اللہ نخعیؒ، امام ابن حبانؒ، امام قاسم بن قطلوبغاؒ، امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور امام قاسم بن قطلوبغاؒ کے نزدیک ثقہ ہیں۔

لہذا یہ حدیث صحیح ہے۔

دلیل نمبر ۱۰ :

امام ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ :

حدثنا وكيع، عن ابن عون، عن أبي عاصم، عن أبي عون: أن عليا كان يؤخر العصر حتى ترتفع الشمس على الحيطان۔

حضرت علیؓ عصر کو تاخیر سے ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ سورج، دیواروں پر بلند ہو جاتا۔ **(مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۳۳۲۷)**

اس سند کے روات کا تعارف یہ ہے :

۱ - امام ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) **شیخین** کے استاذ اور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب: رقم ۳۵۷۵)**

۲- امام وکیعؒ (م۱۹۷ھ) بھی مشہور ثقہ، امام ہیں۔ (تقریب: رقم ۷۴۱۷)

۳- ابن عونؒ سے مراد عبد اللہ بن عونؒ (م۱۵۰ھ) ہیں، جو کہ ثقہ، ثبت، فاضل ہیں۔ (تقریب: رقم ۳۵۱۹)

۴- ابو عاصم محمد بن ابی ایوب ثقفیؒ، صحیح مسلم کے راوی اور صدوق و ثقہ ہیں۔ (تقریب: رقم ۵۷۵۳)

۵- ابو عون محمد بن عبید اللہ بن سعید الثقفیؒ (م۱۱۶ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب: رقم ۶۱۰۷)

۶- حضرت علیؓ مشہور صحابی رسول اور امیر المومنین ہیں۔ (تقریب)

معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ مگر ابو عون محمد بن عبید اللہ بن سعید الثقفیؒ کا سماع حضرت علیؓ سے ثابت نہیں، لیکن ابو عونؒ نے یہاں پر ابو صالح عبد الرحمٰن بن قیس الحنفیؒ سے ارسال کیا ہے۔

کیونکہ (ہمارے علم کے مطابق) کتب حدیث میں موجود حضرت علیؓ سے مروی تمام اقوال کو ابو عونؒ (م۱۱۶ھ) نے ابو صالح عبد الرحمٰن بن قیس الحنفی کے واسطے سے بیان کئے ہے، تو یہاں پر بھی ابو عونؒ اور علیؓ کے درمیان ابو صالح الحنفیؒ موجود ہیں۔ لہذا یہ سند متصل اور صحیح ہے۔

دلیل نمبر ۱۱ :

امام ابن ابی شیبہؒ (م۲۳۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن إبراهيم قال: «كان من قبلكم أشد تأخيرا للعصر منكم»

فقیہ العراق، امام ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں: تم سے پہلے لوگ (صحابہ کرامؓ اور کبارِ تابعین) تمہارے مقابلہ میں عصر کی نماز زیادہ تاخیر سے ادا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۳۱)

یہ سند علی شرط الشیخین ہے۔

امام ابرہیم نخعیؒ تابعین میں سے ہیں، آپ نے بچپن میں حضرت عائشہؓ کو دیکھا ہے، اس لئے "تم سے پہلے لوگ" سے مراد، بڑے درجہ کے تابعین اور صحابہ کرام ہیں۔

دلیل نمبر ۱۲ :

امام ابن ابی شیبہؒ (م۲۳۵؁ھ) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا ابن علية، عن خالد، عن أبي قلابة قال: «إنما سميت العصر لتعتصر»

ابو قلابہؒ کہتے ہیں کہ: عصر کو عصر نام اسلئے دیا گیا تاکہ دن کے آخری حصہ میں پڑھی جائے۔ **(مصنف: ۳۳۳۷)**

نوٹ:

اس سند میں خالد سے مراد خالد حذاء ہیں، اور یہ سند بھی علی شرط الشیخین ہے، مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

دلیل نمبر ۱۳ :

امام عبد الرزاقؒ (م۲۱۱؁ھ) کہتے ہیں:

عن معمر، عن أيوب، عن ابن سيرين، وأبي قلابة: «كانا يمسيان العصر»

ابن سیرینؒ اور ابو قلابہؒ، حسن بصریؒ عصر کی نماز، شام کے وقت پڑھتے تھے۔ **(مصنف عبد الرزاق: ۲۰۸۷)**

یہ روایت علی شرط مسلم ہے، لہذا یہ سند بھی بالکل صحیح ہے۔

نوٹ:

حسن البصریؒ کا ذکر اگلی حدیث (مصنف عبد الرزاق: حدیث ۲۰۸۸) میں موجود ہے، جس کی سند یوں ہے:

عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ أَنَّ الْحَسَنَ وَمُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ وَأَبَا قِلَابَةَ: «كَانُوا يُمَسُّونَ بِالْعَصْرِ»

اس سند میں معمر عن خالد الحذاء ہے، اور یہ دونوں بھی مشہور ثقات ہیں۔ دیکھئے (تقریب، الکاشف وغیرہ)

دلیل نمبر ۱۴ :

امام طحاویؒ (م **۳۲۱ھ**) فرماتے ہیں کہ:

حدثنا ابن مرزوق، قال: ثنا أبو عامر، قال: ثنا سفيان، عن منصور، عن إبراهيم قال: «كان من قبلكم أشد تعجيلا للظهر وأشد تأخيرا للعصر منكم»۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں کہ تم سے پہلے لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) تمہارے مقابلہ میں ظہر میں زیادہ جلدی اور عصر میں زیادہ تاخیر کرنے والے تھے۔ **(شرح معانی الآثار: جلد ۱: صفحہ ۱۹۳، رقم الحدیث ۱۱۵۴)**

رواۃ کی تفصیل یہ ہیں:

(۱) امام طحاویؒ (م **۳۲۱ھ**) ثقہ، ثبت حافظ الحدیث ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم)**

(۲) ابراهيم بن مرزوق بن دينار الاموى : ثقة عمى قبل موته فكان يخطىء و لا يرجع ۔

ابن مرزوقؒ ثقہ ہیں، مگر اپنی وفات سے کچھ پہلے نابینا ہو گئے تھے، اس وقت اگر ان سے کوئی غلطی ہو جاتی اور ان کو بتایا جاتا تو وہ اس کو قبول نہیں کرتے تھے، آپ کی وفات **۲۷۰ھ** میں ہے۔ **(تقریب: رقم ۲۴۸)**

لیکن امام طحاویؒ جن کی پیدائش **۲۳۹ھ** میں ہے، نے ابراہیم بن مرزوقؒ سے ان کے نابینا ہونے سے بہت پہلے ہی سماع کر لیا تھا، اس لئے کہ یہ امام طحاویؒ کے وطن یعنی مصر میں فروکش تھے، اور محدثین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے اپنے اہل وطن سے حدیث لیتے پھر سفر کر کے دوسرے علماء کے پاس جاتے، نیز امام طحاویؒ نے کم عمری سے حصول علم شروع

فرما دیا تھا، یہاں تک کہ آپ نے ھارون بن سعید الایلیؒ سے بھی حدیث لی ہے، جن کی وفات **۲۵۳ھ** میں ہے، جس وقت امام طحاویؒ کی عمر صرف ۱۴ سال تھی، سماعِ حدیث کے سفر سے، امام طحاویؒ کی واپسی **۲۶۹ھ** میں ہوئی ہے۔ **(لسان المیزان: ج۱: ص۶۲۰، ۷۷۱، اکمال تہذیب الکمال: جلد۱: صفحہ ۲۹۰، تجرید الأسماء والکنیٰ: جلد۱: صفحہ ۵۹)**

(۳) ابو عامر عبد الملک بن عمرو العقدی: ثقہ۔ **(تقریب: ۴۱۹۹)**

(۴) **سفیان وھو الثوری، الامام المشھور أثبت الناس فی منصور۔**

(۵) **منصور وھو ابن المعتمر الامام المشھور من أثبت الناس فی إبراھیم۔**

(۶) **أما إبراھیم فھو النخعی فقیہ العراق۔**

ھذہ الائمۃ الثلاثۃ سلسلۃ الذھب، والثلاثۃ الباقون ابو عامر وابن مرزوق والطحاوی فھم ثقات أثبات۔

معلوم ہوا یہ سند بھی بالکل صحیح ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احناف نے احتیاط کو راجح قرار دیتے ہوئے، یہی کہا کہ عصر کا وقت ۲ مثل پر شروع ہوتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ عصر کی نماز کو تاخیر سے (یعنی دو مثل کے بعد) پڑھتے تھے جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔